جنوری ۲۰۰۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03۔5869501

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد: 53
شمارہ: 1
ذوالقعدہ 1424ھ
جنوری 2004ء
فی شمارہ 15/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مجلس ادارت
حافظ عاکف سعید
سید قاسم محمود
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 150 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 800 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون 03-5869501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ گڑھی شاہو علامہ اقبال روڈ، لاہور
فون: 6316638-636638 فیکس: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ عرض احوال ——— 3

حافظ خالد محمود خضر

✿ تذکرہ و تبصرہ ——— 5

ملتزم رفقاء کے نام بانی تنظیم کا پیغام

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ منتخب نصاب۔۲ ——— 9

جماعتی زندگی کا مہلک ترین مرض 'نجوی'

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ تذکیر و موعظت ——— 35

لغو اور عبث کاموں سے پرہیز کی اہمیت

مولانا اخلاق حسین قاسمی

✿ اسلامی معاشرت ——— 43

دین و دنیا میں اعتدال و توازن

فرحت عزیز

✿ اکل حلال کی اہمیت ——— 63

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

✿ منہاج المسلم ——— 68

o عدل و اعتدال

o رحم دلی

علامہ ابوبکر جابر الجزائری

✿ ظروف و احوال ——— 79

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہار رائے

✿ دنیائے اسلام ——— 83

الجزائر

سید قاسم محمود

❀ ❀ ❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کا کُل پاکستان تربیتی اجتماع ۲۵ تا ۲۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو قرآن اکیڈمی کراچی کی وسیع و عریض مسجد میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں شرکت کے لئے تنظیم کے ملتزم رفقاء ملک کے کونے کونے سے سمٹ کر یہاں جمع ہوئے۔ امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے امارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد ملتزم رفقاء کا اس نوعیت کا یہ پہلا اجتماع تھا۔ اس موقع پر امیر تنظیم نے رفقاء کے نام جو بصیرت افروز اور فکر انگیز پیغام دیا وہ سطور ذیل میں قارئین میثاق کی نذر کیا جا رہا ہے:

''ملتزم رفقائے تنظیم اسلامی کے اس سہ روزہ تربیتی اجتماع کے موقع پر میں تمام رفقاء کرام کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

تنظیم کا یہ آل پاکستان تربیتی اجتماع ایک ایسے موقع پر منعقد ہو رہا ہے جب پورا عالم اسلام شدید افتراق و انتشار اور بدترین اضمحلال کا شکار ہے۔ بقول اقبال ؎

پیش ما یک عالم فرسودہ است　　　ملت اندر خاکِ اُو آسودہ است

فرنگ کا امام...... امریکہ...... عالم اسلام کے خلاف بہ بانگِ دہل صلیبی جنگوں کا آغاز کر چکا ہے اور تمام اخلاقی قدروں کو پامال اور عدل و انصاف کے تمام اصولوں کا خون کرتے ہوئے وحشت و بربریت کی تصویر بن کر پہلے افغانستان اور پھر عراق کے مسلمانوں کو پوری ڈھٹائی کے ساتھ خاک و خون میں نہلانے کا عملی مظاہرہ کرنے پر تلا ہوا ہے اور مسلمان ممالک کے کم و بیش تمام سربراہانِ حکومت ...... بشمول ہمارے صدر عالی مقام جنرل پرویز مشرف کے ' اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کی اس ''عالمی مہم'' میں امریکہ کے ''اتحادی'' بن کر امریکہ و یہود کے مذموم عزائم کو کامیاب بنانے کی خاطر ان کے ہر مطالبے کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں!!! مسلمانوں کو ان کے اجتماعی جرائم کی سزا مل رہی ہے۔ ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف!

پوری امت بحیثیت مجموعی اللہ اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ سے بے وفائی اور اللہ کے دین سے غداری کے جرم عظیم کی مرتکب ہوئی ہے۔ مسلمان اپنی دینی ذمہ داری ''شہادت علی الناس'' کو فراموش کر کے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے یہود و ہنود کے رنگ میں رنگے جا چکے ہیں۔ دین گھٹ کر مذہب کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت دین و مذہب سے قطعی لاتعلق ہے۔ مذہبی مزاج طبقہ کی عظیم اکثریت بھی دین کے حصے بخرے کرنے اور دین کو مراسم عبودیت تک محدود کرنے کے جرم کی مرتکب ہے۔ نتیجتاً اللہ کی جانب سے ذلت و مسکنت کا عذاب آج پوری اُمت پر مسلط ہے۔ ایسے میں کچھ لوگوں نے اللہ کی تائید و توفیق سے..... یہ عزم کیا ہے کہ وہ

☆ پورے دین کو اپنے وجود پر اور اپنے گھر میں نافذ کرنے کی مقدور بھر سعی کریں گے۔

☆ اُمت کی اجتماعی ذمہ داری یعنی دعوتِ دین اور شہادت علی الناس کی ادائیگی کی خاطر ایک ''حزب اللہ'' کی صورت میں دوسروں تک دین کو پھیلانے اور پھر دین کو عملاً قائم و غالب کرنے کی سرتوڑ کوشش کریں گے۔

دین کا یہ سبق انہوں نے قرآن و حدیث سے سیکھا اور سنت و سیرت نبویؐ سے سمجھا ہے۔ اپنے رب کو راضی کرنے، دنیا و آخرت میں خسران عظیم سے بچنے اور نجات و فلاح اُخروی کے حاصل کرنے کا یہی وہ راستہ ہے جسے قرآن حکیم نے ہر ممکن اسلوب سے واضح کیا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کا یہ سہ روزہ اجتماع اپنے اس تنظیمی و تحریکی سبق کو نہ صرف تازہ کرنے کا موجب بنے گا بلکہ اس کے ذریعے اس سبق کو ازبر کرنے اور حرزِ جان بنانے کا موقع بھی ان شاء اللہ رفقاء کو میسر آئے گا۔ چنانچہ قوی امید ہے کہ تنظیم کی دعوت کے کام کو، جو دراصل قرآن ہی کے آفاقی و انقلابی پیغام پر مشتمل ہے، آئندہ ہم تیز تر کرنے اور اپنی انفرادی و اجتماعی دینی ذمہ داریوں سے بہتر طور پر عہدہ برآ ہونے کے قابل ہو سکیں گے، کہ ہمیں اللہ نے یہ ہدایت بخشی ہے کہ ہماری اخروی کامیابی کا حصول ہی نہیں، دنیا میں عذابِ عام سے بچنے کا یقینی راستہ بھی یہی ہے۔ اللھم وفقنا لھذا۔ ''oo

تنظیم اسلامی کے سہ روزہ دعوتی وتربیتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء

کے نام **بانی تنظیم** کا پیغام

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفقائے تنظیم اسلامی کے نام یہ پیغام یا ''وصیت'' میں اس وقت تحریر کر رہا ہوں جب میری حیاتِ مستعار قمری حساب سے چوہتر (۷۴) برس کے لگ بھگ ہو رہی ہے اور کاروانِ حیات ''شامِ زندگی'' سے گزر کر ''شبِ زندگی'' کی حدود میں داخل ہو چکا ہے ـــــ اور مجھے تنظیم کی امارت سے مستعفی ہوئے بھی سوا سال ہونے کو آیا ہے۔ گویا رفقائے تنظیم کی درجہ بندی کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں ایک ''منتہی رفیق'' ہوں ـــــ (اس نئی اصطلاح کو ''ایجادِ بندہ'' کے زمرے میں شمار کر لیا جائے!)

یہ بات معلوم و معروف ہے کہ میری پوری زندگی ''تحریک'' سے عبارت رہی ہے۔ تیرہ سے پندرہ سال کی عمر تک تحریک پاکستان کے ساتھ' مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن کی حیثیت میں' ـــــ پندرہ سال کی عمر سے پچیس سال کی عمر تک تحریک جماعتِ اسلامی کے ساتھ نہایت بھرپور انداز میں۔ اس کے بعد تقریباً آٹھ سال کسی نئے کارواں کی تلاش کی تگ و دو اور ایاب و ذہاب میں ـــــ اور ۱۹۶۵ء سے آج تک خود اپنی جاری کردہ تحریک کے بانی' مؤسس' امیر' اور اب منتہی رفیق کی حیثیت میں!

میں نے' بحمد اللہ' اپنی اس تحریک کو ''خانہ زاد'' کبھی قرار نہیں دیا ـــــ بلکہ صراحتاً کہا ہے کہ اسلام کے انقلابی فکر کے مجدد علامہ اقبال تھے' اس پر تعمیل کی پہلی کوشش مولانا ابوالکلام آزاد کی حزب اللہ تھی' دوسری مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی' اور تیسری ہماری یہ تحریک جس کی جڑ انجمن ہائے خدام القرآن اور قرآن اکیڈمیز کے

سلسلے پر مشتمل دعوت رجوع الی القرآن ہے' جس کا تنا اقامت دین کی جدوجہد کے لئے بیعت سمع وطاعت فی المعروف کی اساس پر مبنی تنظیم اسلامی ہے' ـــــ اور جس کے برگ وبار جو ابھی نمایاں نہیں ہیں تحریک خلافت سے عبارت ہیں!

اس تحریک کی بنیادی دعوت جو اولاً علامہ اقبال کے ولولہ انگیز اشعار میں مضمر تھی' جسے پھر مولانا مودودی نے سلیس اور عام فہم نثر میں منظم اور مدون کیا ـــــ اور جس میں بعد میں مولانا امین احسن اصلاحی نے قرآنی رنگ بھرا ـــــ الحمد للہ کہ میں نے توفیق الٰہی سے اس کی جڑوں کو قرآن حکیم کی گہرائیوں تک اتار دیا جس کے ضمن میں میں نے اسلام کے ''مذہب'' سے بلند تر تصور یعنی ''دین'' کی وضاحت اور ''فرائض دینی'' کے جامع اور انقلابی تصور کو مبرہن کرنے کے لئے مطالعہ قرآن حکیم کا ایک منتخب نصاب مرتب کیا' جس کے ۶۵ء سے ۸۰ء تک کے پندرہ سالوں کے دوران اتنی مرتبہ' کبھی مفصل اور کبھی مختصر' اور کبھی ہفتہ وار اجتماع میں' اور کبھی دس روزہ یا ایک ماہی تربیت گاہوں میں درس دیئے ـــــ کہ ایک صحافی نے مجھے قرآن کے ''قوال'' کا خطاب دے دیا جسے میں نے ایک ''سند'' سمجھ کر شکریئے کے ساتھ قبول کر لیا۔ اور خود میں نے اپنی اس کیفیت کو اس شعر سے تعبیر کیا کہ ''ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم ۔ الّا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم!'' ـــــ!

ان دروس قرآن کے سننے اور سراہنے والوں کی کبھی کمی نہیں رہی بلکہ والہانہ ذوق وشوق اور مستقل مزاجی اور پابندیٔ وقت کے ساتھ شرکت کرنے والوں کی حاضری اور کامل سکوت اور ہمہ تن توجہ کے ساتھ استماع کے اعتبار سے ان دروس قرآن نے ریکارڈ قائم کئے ـــــ اور ان کا شہرہ دور ونزدیک پھیلتا چلا گیا ـــــ اور اس طرح چودھویں صدی کے مجدد اعظم حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۲۰ء میں ''عوامی درس قرآن'' کی جس ضرورت کا ذکر کیا تھا اس کا جیتا جاگتا نمونہ لوگوں کے سامنے آ گیا ـــــ لیکن ان دروس کے اصل ہدف کو اختیار کر کے تنظیم میں شامل ہونے والوں کی تعداد بہت کم رہی۔ (جس کے اسباب پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے!) تاہم بحمد اللہ تنظیم کا ڈھانچہ کھڑا

ہو گیا‘ ـــــ سینکڑوں نہایت مخلص اور committed رفقاء دستیاب ہوئے‘ ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک خاصی بڑی ٹیم تیار ہو گئی جنہوں نے ’’منتخب نصاب‘‘ کے درس کی ذمہ داری خود سنبھال کر مجھے اس سے سبکدوش کر دیا۔ مزید برآں سنّتِ بیعت کے احیاء کی سعادت نصیب ہوئی اور بیعت کی اساس پر ایک متحرک جماعت کا نظم قائم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی جس میں ’’اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ‘‘ کی روح بھی بتمام وکمال موجود ہو‘ ـــــ اور اختلاف اور تنقید کی اجازت کے ساتھ ساتھ اس کا طریق بھی متعین ہو!

گویا دروسِ قرآن کے شرکاء کی اکثریت کے اعتبار سے تو میں بھی حضرت علامہ ہی کی طرح یہ فریاد کر سکتا ہوں کہ ۔

بآں رازے کہ گفتم‘ پے نبردند ۔۔۔ زِ شاخِ نخلِ من خُرما نخوردند

مَن اَے میرِ اُمَم داد از تو خواہم ۔۔۔ مرا یاراں غزل خوانے شمردند

لیکن تنظیم کے رفقاء کو میں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھا ـــــ اور ’’وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ‘‘ کے مصداق ان کی رفاقت کو غنیمت جانا۔

بہر حال مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے درس سے فراغت کے بعد ۱۹۸۰ء کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دو بڑی نعمتیں نازل فرمائیں! ایک صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے جاری کردہ سیرت النبی ﷺ کے جلسوں میں کثرت اور شدت کے ساتھ تقریر و خطاب ـــــ جن سے میری توجہ ’’منہج انقلاب نبویؐ‘‘ کی جانب منعطف ہوئی اور بحمد اللہ اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب منصۂ شہود پر آ گئی ـــــ اور دوسرے ماہِ رمضان مبارک میں نمازِ تراویح کے ساتھ ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا سلسلہ‘ جس کا بعض ناقدوں اور حاسدوں نے مذاق بھی اڑایا لیکن الحمد للہ کہ گزشتہ اٹھارہ سالوں کے دوران اس کا چرچا بھی بڑھتا چلا گیا۔ اور اس وقت تو ARY DIGITAL کے بالخصوص Q.Tv. چینل کے علاوہ بھارت میں IRF کے ذریعے اور بعض دوسرے شہروں میں لوکل چینلز (جیسے لاہور میں ’’الاسلام‘‘) کے ذریعے اس کا ڈنکہ عالمی سطح پر

بج رہا ہے!

الغرض یہ ہے میرا حاصلِ حیات ـــــ اور میری واحد وراثت جو اَب اگلی نسل کو منتقل ہو چکی ہے ـــــ اور جس کے ضمن میں میں کہہ سکتا ہوں کہ ؎

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر　　اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے　　لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے!

اس مرحلے پر الحمدللہ کہ مجھے اس امر پر تو کامل اطمینان ہے کہ میری یہ تحریک جوں کی توں اور بغیر کسی بڑے انتشار کے گویا "ONE-PIECE" اگلی نسل کو منتقل ہو گئی ہے' تاہم ایک احساس ہے کہ بعض رفقاء پر ''بے ذوقی'' تو نہیں ''کم کوشی'' کا غلبہ ضرور ہو رہا ہے اور وہ تحریک و تنظیم کی مصروفیات کو ایک خاص سطح پر CAP کر چکے ہیں' چنانچہ ایک ROUTINE کی سی کیفیت جڑ پکڑ رہی ہے ـــــ لہٰذا اس وقت تنظیم اسلامی کو ایک نئے عزم' نئے ولولے' اور نئے جوش کی ضرورت ہے' ـــــ اس کے ضمن میں میری ''وصیت'' یہ ہے کہ تنظیم کے رفقاء ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' پر از سرِ نو توجہ دیں ـــــ اور اس کے ضمن میں میں نے زیادہ مفصل اور قدرے علمی گہرائی کے ساتھ جو درس ۹۳-۱۹۹۲ء میں دیا تھا' اس پر توجہ مرکوز کریں ـــــ اس درس کے دوران رفیقِ مکرم چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے بجا طور پر کہا تھا کہ ''ان دروس میں علمیت زیادہ اور تاثیر کم ہے!'' ـــــ دعوتی اور خطابی انداز میں تو یقیناً میرا ۴۴ گھنٹوں کے آڈیو کیسٹوں میں محفوظ درس ہی زیادہ مؤثر ہے ـــــ جو ہمارے بہت سے رفقاء کو بحمداللہ ازبر یاد ہے' لیکن اس نصاب کے ضمن میں قدرے زیادہ علمی گہرائی میں رفقاء کے ''یقین'' اور ''بصیرت'' کی گہرائی اور گیرائی میں اضافے کا موجب ہو گا ـــــ اور چونکہ لاہور اور کراچی کے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس میں شرکت کرنے والے رفقاء کا عربی گرامر سے کچھ نہ کچھ شغف پیدا ہو گیا ہے لہٰذا انہیں تو اس کے سلسلے میں قطعاً کوئی دقت پیش نہیں آئے گی! مجھے امید واثق ہے کہ اس کے ذریعے کارکنوں میں ایک نیا جوشِ عمل پیدا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم! ـــــ خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

(اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کے اوصاف اور تنظیمی مسائل کے ضمن میں ہدایات)

درس ۸

جماعتی زندگی کے مہلک ترین مرض

نجویٰ

کی حقیقت اور اللہ کی جانب سے اس کی شدید مذمت

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ..... امّا بعدُ:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ..... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ (المجادلۃ:۷ تا ۱۳)

دینی ہیئتِ اجتماعیہ کے خلاف شیطان کے ہتھکنڈے

دینی مقاصد اور بالخصوص اقامت دین کے لئے جو بھی ہیئت اجتماعیہ وجود میں آتی ہے وہ یقیناً شیطان کی دشمنی کے لئے اور اسے للکارنے کے لئے ہی وجود میں آتی ہے' لہٰذا شیطان کے حملے کا سب سے بڑا نشانہ اور ہدف بھی وہ اجتماعیت ہی بنتی ہے۔ اس پہلو سے غور کیا جائے تو شیطان کے حملہ آور ہونے کے مختلف راستے ہیں۔ اوّلاً اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس ہیئت اجتماعیہ میں شریک ہر فرد کے دل میں وسوسہ اندازی کرے اور اس کے نفسانی داعیات اور محرکات کو مشتعل کرے۔ یہ کوشش تو شیطان ہر فردِ نوعِ بشر کے لئے کرتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ ایسے اشخاص کے لئے جو کسی ایسی اجتماعیت میں شریک ہوں جو شیطان کو للکارنے کے لئے وجود میں آئی ہو' اس کی یہ کوششیں دوچند ہو جائیں گی۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر وہ ایسے اشخاص کے باہمی رشتے کو کمزور کرنے' ان کی جمعیت میں رخنے ڈالنے' ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں کدورت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے' تاکہ یہ بنیانِ مرصوص نہ بن سکیں' ان کے مابین ایک دوسرے کے خلاف غلط فہمیاں پیدا ہوں اور ایک دوسرے سے بغض اور عداوت پیدا ہو جائے۔

یہ شیطان کی دوسری کوشش ہے۔ تیسری کوشش اس کی خاص طور پر یہ ہوتی ہے کہ اس اجتماعیت کے نظم کو بگاڑے اور اس نظم میں امیر اور مامورین کے مابین جو ربط و تعلق ہے' اسے خراب کرے۔ اصل میں تو امیر اور مامورین کے مابین یہ تعلق ہی ہے جو کسی نظم کے مؤثر ہونے میں سب سے زیادہ مفید ہے اور یہی چیز فیصلہ کن بھی ہے۔ تو اس اعتبار سے اس کا تیسرا حملہ اس تعلق کو کمزور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ تو ہمارے اصل منتخب نصاب کے مختلف اسباق اور حصوں میں زیر بحث آتی ہے' دوسرا معاملہ بھی بالخصوص سورۃ الحجرات میں تفصیل سے زیر بحث آیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے ضمن میں جو مثبت احکام دیئے گئے اور جن چیزوں سے روکا گیا ان کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ میں عام طور پر درس کے دوران یہ واضح کیا کرتا ہوں کہ اس کی کیا اہمیت ہے' مسلمانوں کی یہ شیرازہ بندی کیوں مطلوب ہے' اس میں پیدا ہونے والے رخنوں کا سدباب اتنا اہم کیوں ہے کہ اس کے لئے قرآن حکیم میں اس قدر اہتمام سے احکام دیئے گئے ہیں؟ سورۃ الحجرات میں دو بڑے احکام نازل ہوئے ہیں اور ساتھ ہی دو آیات (آیت ۱۱' ۱۲) میں چھ نواہی نازل ہوئے ہیں۔ جن چھ کاموں سے خاص طور پر روکا گیا ہے وہ یہ ہیں: تمسخر و استہزاء' عیب جوئی کرنا' ایک دوسرے کو برے ناموں سے پکارنا' سوءِ ظن پیدا کرنا' کسی کی برائی تلاش کرنے کے لئے اس کی ٹوہ میں لگے رہنا اور غیبت کرنا۔ اس لئے کہ ایک دوسرے کے مابین بدگمانی پیدا کرنا' دلوں کو پھاڑ دینا' کدورتیں پیدا کرنا' حسن ظن ختم کر کے سوءِ ظن کے بیج بو دینا' یہ تمام چیزیں خطرناک ہیں۔ درحقیقت ان کی اصل اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ کسی بھی فصیل کی مضبوطی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ ہر اینٹ اپنی جگہ پختہ ہو اور دوسرے ان اینٹوں کو جوڑنے والا مواد یعنی سیمنٹ مضبوط ہو۔ اینٹوں کا پختہ ہونا انفرادی سیرت و کردار کی پختگی کا پروگرام ہے جو ہمارے منتخب نصاب کے حصہ سوم کا موضوع ہے۔ ان اینٹوں کو باہم جوڑنے' مضبوط کرنے اور ان میں کسی رخنے کو راہ نہ پانے دینے کے ضمن میں احکامات سورۃ الحجرات میں آ گئے

کہ اس اجتماعیت میں شریک افراد کے مابین اگر کہیں اختلاف ہو تو اسے فوراً رفع کرنے کی کوشش کرو' افتراق کی روش درست نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کی افواہوں پر اعتماد نہ کرو' بلکہ افواہوں کی روک تھام کرو۔

یہ دو حکم تو بڑے ہیں۔ ان کے علاوہ جو چھ نواہی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کا استہزاء نہ کرو' تمسخر نہ کرو۔ بسا اوقات آدمی اپنے کسی دوست اور رفیق سے یوں ہی لائٹ موڈ میں کوئی بات کرتا ہے اور اس سے اس کا دل دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے ممکن ہے وہ دوست اس سے قبل دس بار وہ بات ہنس کر ٹال چکا ہو' لیکن عین ممکن ہے کہ گیارہویں مرتبہ وہ بات تیر کی طرح سیدھی اس کے دل پر جا لگے اور اس کا دل زخمی ہو جائے۔ اب نتیجتاً اس سے محبت کا تعلق کمزور پڑے گا اور اس کے دل کی کیفیت کھردری سطح کی مانند ہو جائے گی جس پر اب میل جمنا شروع ہو جائے گا۔ لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ استہزاء سے بچو۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ﴾ ''اے ایمان والو! (تم میں سے) کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے' ہو سکتا ہے کہ وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے وہ ان (مذاق اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں''۔ یہ تو ایسا حکم ہے جو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لئے بھی دہرا کر لایا گیا ہے۔ اگلی بات یہ فرمائی کہ: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کرو (تہمتیں نہ لگاؤ)'' اگر کسی کا واقعی کوئی ایسا معاملہ ہے تو خواہ مخواہ اسے جتلانا درست نہیں ہے' اس سے بھی اس کی عزتِ نفس کو مجروح کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ بھی وہ چیز ہے جو باہمی رشتۂ الفت کو ختم کر دیتی ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ﴾ ''اور ایک دوسرے کو (بُرے) ناموں سے نہ پکارو''۔ وہ نام کہ جو خواہ مخواہ کسی کو چھیڑنے کے لئے ہوں ان سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ سوئے ظن سے بچو! اس کے لئے الفاظ آئے ہیں: ﴿اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ

بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ ''بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو! یقیناً بعض گمان گناہ ہیں''۔اس سے آگے ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾ ''اور تجسس نہ کرو''۔اگر کوئی ناخوشگوار چیز سامنے آ بھی گئی ہے تو پردہ پوشی کرو' نہ یہ کہ خود پردے اٹھا اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرو۔

غیبت = جماعتی زندگی میں رخنہ اندازی کا ایک بڑا ذریعہ

اس سلسلہ نواہی میں مزید ارشاد ہوا: ﴿وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ﴾ ''اور تم میں کا ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرے''۔اس لئے کہ غیبت تو سب سے ثقیل اور قبیح حرکت ہے۔غیبت یہ ہے کہ اپنے کسی بھائی کی کسی برائی یا عیب کا ذکر اس کی عدم موجودگی میں کرنا۔ویسے تو یہ باتیں ہمارے عام مجلسی اور معاشرتی آداب میں شامل ہیں' لہٰذا ہر مسلمان کے ساتھ یہی معاملہ کرنا ہے' لیکن اقامت دین جیسے عظیم مقصد کے لئے قائم کی گئی جماعت کے رفقاء کے لئے ان احکامات کی ضرورت و اہمیت سوگنا بڑھ جاتی ہے اور انہیں ان تمام چیزوں کا سوگنا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے' اس لئے کہ یہاں شیطان سوگنا زیادہ زور لگائے گا۔

جماعتی نظم کے حوالے سے غیبت خاص طور پر قابل وضاحت ہے۔جان لیجئے کہ ایک تو تنقید ہوتی ہے کہ کسی کو اس کی کسی کمزوری' کوتاہی اور کسی عیب وغیرہ پر متنبہ اور مطلع کرنا۔یہ تو اصلاح کے لئے اجتماعیت کی ایک اہم اور ناگزیر ضرورت ہے۔لیکن اس کے کچھ آداب ہیں۔اوّلاً یہ کہ آپ اپنے کسی بھائی میں کوئی کمزوری دیکھیں تو خود اُس سے اس معاملے میں بات کریں' اسے تنہائی میں سمجھائیں اور مطلع کریں' سب کے روبرو اس کا تذکرہ نہ کریں۔ثانیاً آپ کے انداز میں اس حد تک دلسوزی ہو کہ وہ خود محسوس کرے کہ میرے سامنے یہ بات کر کے اسے کوئی خوشی نہیں ہو رہی' یہ کوئی لذت نہیں لے رہا' کوئی اپنی بڑائی کا اظہار نہیں کر رہا اور میری عزتِ نفس کو مجروح کرنا اس کے پیش نظر نہیں ہے' بلکہ یہ فی الواقع دل سے میری اصلاح کا خواہاں اور کوشاں ہے۔یہ دو شرطیں اگر پوری نہ ہوں تو تنقید مہلک اور مضر ثابت ہوتی ہے اور اپنی افادیت کا پہلو کھو دیتی ہے۔اس سے آگے بڑھ کر میں ایک اور بات کی طرف توجہ مبذول کرانا

چاہتا ہوں۔ دیکھئے تنظیم اسلامی میں یہ بات طے ہے کہ اس سے کسی رفیق کے اخراج کا معاملہ بھی ہوسکتا ہے۔ کسی شخص کا معاملہ ایسا ہو جس سے تنظیم کی بدنامی کا اندیشہ ہو جائے تو اس کا اخراج عمل میں آ سکتا ہے۔ کسی ساتھی نے اپنے اس بھائی کی اصلاح کی انفرادی سطح پر پوری کوشش کر لی' اس سے بارہا ملا اور تنہائی میں دلسوزی اور خلوص و اخلاص کے ساتھ گفتگو کی' لیکن وہ سمجھ رہا ہے کہ اصلاح کی طرف اس کا کوئی رجحان نہیں ہے اور اس چیز کی اطلاع اصحابِ امر تک پہنچا دینا جماعتی مصلحت کے لئے ضروری ہے اور اس سے مقصود اجتماعیت کو اس کے مضر اور منفی اثرات سے بچانا ہے تو عام رفیق کا کام یہ ہے کہ صاحب نظم کو اس سے مطلع کر کے خاموش ہو جائے۔ دوسرے ساتھیوں میں اس کی برائی کا چرچا کرنا اور لذت لے لے کر اس کا ذکر کرنا انتہائی مہلک شے ہے۔ یہ ہے وہ غیبت جس کے لئے قرآن کریم میں سخت ترین الفاظ آئے ہیں: ﴿اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ﴾ ''کیا تم میں سے کوئی شخص اسے پسند کرے گا کہ اپنے کسی مُردہ بھائی کا گوشت (اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر) کھائے؟ یہ تو تمہیں انتہائی ناپسند ہے''۔ لیکن تم غیبت کرتے ہو هَنِیْئًا مَّرِیْئًا' خوب لذتیں لے لے کر اور چٹخاروں کے ساتھ۔ تو جماعتی زندگی میں اس چیز کو channelize کرنا ضروری ہے۔ کسی مقامی تنظیم کا امیر اگر اپنے کسی ساتھی میں کوئی کمزوری دیکھتا ہے اور اس نے اپنے اُس ساتھی کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش بھی کر لی ہے مگر وہ اصلاح پر مائل نہیں ہو رہا' تو اب اس مقامی امیر کو پہلے تو یہ Judgement کرنی ہوگی کہ یہ عام کمزوری اور خامی ہے یا اس نوعیت کی ہے کہ اس سے جماعت کی نیک نامی پر حرف آ سکتا ہے۔ اگر صورت دوسری ہے تو وہ بھی اپنے سے بالاتر اصحابِ امر تک اطلاع پہنچائے اور یوں سمجھے کہ اس کی ذمہ داری ختم ہوئی۔ اب یہ معاملہ ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور وہ اسے کس طور سے نمٹاتے ہیں یہ ان کی ذمہ داری ہے۔

مرض ''نجویٰ'' کے اسباب وعلامات

پہلی بات تو یہ ہے جو اجمالاً آپ کے سامنے آ گئی کہ اس ہیئت اجتماعیہ میں اگر

proper channels کا اہتمام نہیں ہوگا تو شیطان کو دلوں کے پھاڑنے اور نفرتوں کی فصلیں اگانے کا بڑا موقع ملے گا۔ لیکن یہی مسئلہ جب رفقاء کی جانب سے امراء کے ساتھ پیش آتا ہے تو اس کا نام ''نجویٰ'' بنتا ہے۔ اب یہ غیبت سے کئی گنا زیادہ قبیح شے بن جاتی ہے۔ اب تک تو میں نے سورۃ الحجرات میں وارد معاشرتی احکام اور نواہی کا اعادہ کیا ہے کہ ایک مسلمان معاشرے اور مسلمانوں کی ہیئت ملی میں ان چیزوں کی کیا اہمیت ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اقامت دین کے عظیم مقصد کے لئے قائم اجتماعیت کے لئے اس کی اہمیت سوگنا بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ جب غیبت کا معاملہ اصحابِ امر کے ساتھ آئے گا تو یہ چیز اس سے بھی سوگنا زیادہ قبیح اور مہلک ہو جائے گی۔ اس کا کیا سبب ہے؟ پہلے اسے سمجھ لینا چاہئے۔ دراصل امیر اور مامورین کا رشتہ ایسا ہے کہ اس میں گاہے بگاہے مامورین کی عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا امکان فطری طور پر موجود ہے۔ اوّل تو کسی کا حکم ماننا انسانی طبیعت بالعموم گوارا نہیں کرتی۔ پسند نہیں کرتی۔ انسان کا نفس اسے یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ اصحابِ امر کو کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں' یہ کون سے آسمان سے نازل ہوئے ہیں کہ مجھے حکم دیں' میں ان سے کس پہلو میں کمتر ہوں!

میں یہاں تک عرض کر رہا ہوں کہ حضور ﷺ کا معاملہ ہمارے اعتبار سے تو بہت مختلف ہے اور اُس وقت جو لوگ موجود تھے ان کا معاملہ بھی ہم سے بہت مختلف تھا۔ ہمارے لئے تو حضور ﷺ کی حیثیت اب ایک ادارے (institution) کی ہے' حضور ﷺ بنفس نفیس' گوشت پوست سے بنے ہوئے انسان کی صورت میں ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں' اور اللہ تو ویسے بھی ہمارے سامنے نہیں ہے' لہٰذا ہمارے لئے اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت' یہ دونوں درحقیقت ادارے ہیں۔ اس وقت ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین صرف اُمتی اور رسول کی نسبت ہے' جبکہ اس وقت کے لوگوں کا معاملہ یہ تھا کہ ایک تو رسول ﷺ ان کے سامنے گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان کی صورت میں موجود تھے' عام انسانوں کی طرح وہ بھی کھاتے پیتے

چلتے پھرتے تھے۔ پھر یہ کہ حضور ﷺ کے ساتھ ان کی اور بھی بہت ساری نسبتیں موجود تھیں۔ صحابۂ کرام ؓ میں سے حضرت عباس اور حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہما) حضور ﷺ کے چچا ہیں' لہٰذا آپ تو بھتیجے ہونے کے اعتبار سے ان سے چھوٹے تھے۔ صحابیات (رضی اللہ عنہن) میں وہ بھی ہیں جو حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات ہیں۔ ان کے اور آنحضور ﷺ کے مابین نسبت صرف رسول اور اُمتی کی نہیں ہے' شوہر اور بیوی کی بھی ہے۔ اسی طرح آپ قیاس کرتے چلے جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں نسبتیں بھی بہت سی تھیں۔ اس پہلو سے اس وقت آپ ﷺ کی اطاعت کا معاملہ آج کی نسبت زیادہ مشکل تھا۔ اس لئے کہ اُس وقت ایک تو نگاہوں کے سامنے موجود ایک گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان کی اطاعت مطلوب تھی اور دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ اور بھی کافی نسبتیں تھیں جو کہ ہماری نہیں ہیں۔ ہمارے لئے حضور ﷺ کی اطاعت بہت آسان ہے' جبکہ ان لوگوں کے لئے اس معاملے میں بڑی اضافی دقتیں اور پیچیدگیاں تھیں۔ چنانچہ انہیں یہ وسوسے پیش آسکتے تھے کہ ان کی ہر بات ماننے کی کیا ضرورت ہے! یہ ہم تک اللہ کا جو حکم پہنچاتے ہیں ہم اسے مان لیتے ہیں' لیکن ان کی ہر بات کیوں مانیں! اسی موقف کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:٦٥)

''نہیں (اے محمد ﷺ!) آپ کے ربّ کی قسم! یہ ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ ہر اختلافی معاملے میں جو ان کے مابین اٹھ کھڑا ہو' آپ کو آخری حکم تسلیم نہ کریں' اور جو فیصلہ بھی آپ کریں (نہ صرف یہ کہ اسے بے چون و چرا قبول کریں' بلکہ) اپنے دل میں بھی اس کے بارے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں' اور (آپ کی) فرمانبرداری قبول کرلیں جیسا کہ اس کا حق ہے''۔

اس طرزِ تخاطب میں جو زور ہے وہ اس پس منظر میں نکھر کر سامنے آتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص مشورہ دے اور اس کا مشورہ قبول نہ کیا جائے' تو اس کے دل پر اس کا ایک ردعمل لازماً ہوگا کہ انہوں نے میری بات کو اہمیت

نہیں دی، مجھے کم تر سمجھا، کسی اور کی بات کو زیادہ اہمیت دی۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی اجتماعی ضرورت کے تحت محسوس ہو کہ شاید صاحب امر کا التفات کسی اور کی طرف زیادہ ہے اور میری طرف کم ہے۔ اس سے بھی نفس کے اندر لازماً ایک ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا لازماً ہوتا ہے، کوئی نظم اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اور کبھی کسی کوتاہی پر سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوسکتی ہے۔ یہ بھی وہ چیز ہے جس سے انسان کے اندر شدید ردعمل پیدا ہوسکتا ہے۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی جگہ پر صحیح ہو لیکن کسی مغالطے کی بنا پر اس کو خواہ مخواہ ڈانٹ دیا جائے۔ اس کا بھی بہرحال امکان موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات اس طرح کے مغالطے سے بَری ہے، کوئی اور تو اس سے بَری نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اصحابِ امر تک کوئی غلط اطلاع پہنچی ہو، یا ان کے اپنے مشاہدے میں یا اپنی سوچ میں کوئی غلطی ہو۔ اب اس میں مزید دس گنا زیادہ امکان پیدا ہوگا کہ طبیعت میں ردعمل اور آزردگی (resentment) پیدا ہو جائے۔ یہ تمام چیزیں وہ ہیں کہ جن سے امیر اور مامور کا رشتہ بہت نازک ہو جاتا ہے۔ اگر اس میل کو انسان شعوری طور پر صاف نہ کرتا رہے اور وہاں کھردری سطح برقرار رہے تو وہاں میل جمع ہوتا رہے گا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی زبان سے کبھی کوئی چبھتا ہوا فقرہ نکل جائے گا، کبھی آپ کوئی استہزائیہ کلمہ کہہ دیں گے۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی نے محسوس کیا کہ کوئی اور بھی ہے جس کے دل میں ایسے جذبات ہیں تو اب ایک انسیت محسوس ہوگی اور وہ جا کر اس سے دکھ درد بیان کرے گا کہ دیکھئے اس جماعت میں آنے کی ہماری کوئی ذاتی غرض تو نہیں ہے، فلاں صاحب ہم سے کوئی برتر نہیں ہیں کہ ہم سے اس طرح کا معاملہ ہو رہا ہے۔ اب وہ دو سے تین، پھر تین سے چار ہو جائیں گے اور رفتہ رفتہ ایک جتھے کی شکل اختیار کر لیں گے اور ان کے مابین ایک دوسرے کے لئے قرب اور دلوں کی نرمی پیدا ہو جائے گی۔ اب صورت حال یہ ہوگی کہ کسی اجتماع میں جہاں بیٹھے ہیں یکجا بیٹھے ہیں۔ اب امیر اگر کچھ کہہ رہا ہے تو اس پر آنکھوں آنکھوں میں باتیں کر رہے ہیں کہ دیکھا، یہ بات نکل آئی

ناجو ہم سوچتے تھے' ہمارا خیال صحیح ہوا کہ نہیں! اس طرح آنکھوں آنکھوں میں تبادلۂ خیال ہوتا ہے' پھر فقرے چست کئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اجتماع میں مل جل کر بیٹھیں' آس پاس صرف وہی لوگ ہوں جن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی کا احساس ہے اور کسی اور کو قریب نہ آنے دیں' تاکہ اگر کوئی فقرہ چست کیا جائے تو کوئی سن کر آگے نہ پہنچا دے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تنہائی میں کھسر پھسر ہو رہی ہے۔ غیبت جو بہت لذیذ شے ہے' جب یہ امیر کے خلاف ہو گی تو بہت ہی لذیذ ہو جائے گی۔ اس میں یہ اضافی عوامل شامل ہو جائیں گے۔ جب بھی طبیعت کے اندر کسی وجہ سے منفی ردِّعمل پیدا ہو گا تو اس سے جب کھیتی لہلہائے گی تو بہت بہار دے گی۔ اب کونوں کھدروں میں' علیحدگی میں گفتگو ہو رہی ہے' آپس میں بظاہر بہت دردمندانہ مشورے ہو رہے ہیں کہ دیکھئے' تنظیم میں ہمیں تو اس کی مصلحت مطلوب ہے' یہ غلط رخ پر چلے گئے ہیں' ان کا انداز غلط ہے' اس سے تنظیم کو نقصان پہنچ رہا ہے' ہم تو اس کی اصلاح کے لئے کوشاں ہیں' ہم تو اصل میں بھلائی کے لئے یہ سارے مشورے کر رہے ہیں' ہمیں کسی سے کوئی ذاتی نفرت اور کدورت نہیں ہے۔

اس حوالے سے وہ الفاظ ذہن میں رکھئے جو سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں آئے ہیں: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝﴾ (آیت ۱۱) ''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ مچاؤ (رخنہ اندازی نہ کرو' اس نظم کو کمزور نہ کرو' اس میں فتنے نہ اٹھاؤ) تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں''۔ ہم تو اصلاح کے لئے کوشاں ہیں' ہمارے مشورے تو اصلاح اور بہتری کے لئے ہیں۔ یہ تمام کیفیات ایک complex مرض کی علامات ہیں جو بہت سے امراض کا مرکب ہے۔ اس پورے مرض کے کیا اسباب ہیں؟ میڈیکل سائنس میں کسی مرض کی etymology کے دو حصے ہوتے ہیں: اولاً Predisposing Factors: جن کی وجہ سے مرض کے حملہ آور ہونے کے لئے فضا ہموار ہوتی ہے' میدان ہموار ہو جاتا ہے۔ ثانیاً Exciting Cause: جو مرض کے اُبھرنے کے لئے کوئی

فوری سبب بن جاتا ہے۔ یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ مرض کیسے وجود میں آتا ہے۔

اس انداز سے جو جتھے بندی وجود میں آتی ہے اس کا نام ''مظاہرہ'' ہے۔ یہ مظاہرہ' جسے ہم اسلامی انقلاب کے ضمن میں باطل کے خلاف اقدام کا ایک عنوان تجویز کر رہے ہیں' اگر اس اجتماعیت کے اندر ہونا شروع ہو جائے تو ع ''وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی'' کے مصداق وہ اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ گویا دیمک ہے جو اندر سے چٹ کر رہی ہے۔ اس طرح اس کی ساری اجتماعیت اور اجتماعی قوت ختم ہو جائے گی۔ تو یہ مظاہرہ کسی اجتماعیت کے اندر نہ ہو۔

''نجویٰ'' کی حقیقت و شناعت۔ قرآن حکیم کی روشنی میں

اب ان آیاتِ مبارکہ کو سمجھ لینا چاہئے جس میں یہ وضاحت ہے کہ اس پوری بیماری کی' جس کا میں نے اس وقت ذکر کیا ہے' کیا علامات ہیں' اس کا کیسے ظہور ہوتا ہے اور یہ کیسے آگے بڑھتی ہے۔ اس کے لئے ایک عنوان ہے ''نجویٰ''۔ پہلے اس لفظ کی اصل کو سمجھ لیا جائے۔ عربی زبان میں ''نَجْوَۃٌ'' بلندی کو کہتے ہیں۔ اسی سے لفظ نجات بنا ہے جس کے معنی بچ جانے کے ہیں۔ کسی بلند مقام پر پہنچ جانا دشمن کے نرغے سے نکل کر نجات پا جانے کی ایک صورت ہے۔ اس کے لئے بہترین مثال غزوۂ اُحد کی ہے کہ جس وقت صحابہ کرام ؓ نرغے میں آ گئے اور ستر صحابہ شہید بھی ہو گئے اُس وقت نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اُحد پہاڑ پر چڑھ جاؤ! چنانچہ بلندی پر چڑھ جانا اس وقت بچاؤ کی شکل بن گیا۔ تو بلندی پر پہنچ جانا ایک طرح سے بچاؤ' دفاع اور نجات کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ پھر یہ کہ بلندی پر کوئی جاتا ہے تو تنہا ہوتا ہے۔ اور یہاں بلندی پر جب تنہائی ہو گی تو وہاں ایک دو جو پہنچ گئے ہیں وہ سرگوشیاں کریں گے جو دوسرے نہیں سنیں گے۔ تو علیحدگی میں خفیہ سرگوشیوں کے لئے یہ لفظ ''نجویٰ'' ہے۔ واضح رہے کہ نجات کا اصل مادہ بھی ''ن ج و'' ہے اور نجویٰ کا مادّہ بھی یہی ہے۔

نجویٰ کے ضمن میں ایک آیت سورۃ النساء میں بھی موجود ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ سورۃ النساء پہلے اور سورۃ المجادلہ بعد میں نازل ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ سورۃ النساء

میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ﴾ (آیت ۱۱۴) ''ان کی سرگوشیوں میں سے اکثر میں کوئی خیر نہیں ہے''۔ یعنی یوں سمجھئے کہ اکثر و بیشتر سرگوشی خرابی کی جڑ بنتی ہے۔ وہی بات بہتر ہوتی ہے جو کھل کر سامنے کی جائے۔ اگر کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کی جائے تو یہ غیبت ہے۔ چلئے اگر کوئی حملہ آور ہونا بھی چاہتا ہے تو بھی سامنے سے حملہ کرے' پیچھے سے حملہ کرنا تو بزدلی ہے۔ اگر سامنے سے حملہ کیا جائے گا تو وہ بھی مدافعت کر سکتا ہے۔ اگر عوام کے اندر اس کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے تو اس کو موقع تو ہوگا کہ وہ وضاحت کر کے اپنا دفاع کر سکے کہ یہ بات یوں نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ معاملہ پیچھے سے کیا جائے تو اب وہ مدافعت کے قابل نہیں ہے۔ لہٰذا بات تو وہی ہوتی ہے جو ڈنکے کی چوٹ پر سامنے کی جائے' اِلّا یہ کہ آپ اس طرح اس کی استہزاء کا ذریعہ بن جائیں گے تو اس کی اصلاح کا امکان کم ہو جائے گا' بلکہ اصلاح کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ یہ مصلحت کی بات ہے۔ ہر چیز کے اندر استثناء تو ہوتا ہے' لیکن قاعدہ قانون یہی ہے کہ ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ﴾ ''ان کی اکثر سرگوشیوں میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے''۔ البتہ اس کی کچھ مستثنیات ہیں جو اسی آیت میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہیں:

i) ﴿اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ﴾ ''سوائے اس کے کہ کوئی (کسی کو) صدقہ کرنے کو کہے''۔ آپ نے کسی کو جا کر مشورہ دیا کہ بھائی فلاں شخص احتیاج میں ہے اور میری اس وقت ایسی حالت نہیں ہے کہ میں اس کی مدد کر سکوں' اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس کی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں' لہٰذا اس کی ضرورت کو پورا کیجئے۔

ii) ﴿اَوْ مَعْرُوْفٍ﴾ ''یا کوئی نیک کام (کرنے کو کہے)''۔ یعنی کسی اور نیک کام کا کسی کو علیحدگی میں مشورہ دینا۔ محسوس ہو کہ اس کی ہمت کمزور پڑ رہی ہے تو اس کی ہمت بندھانا۔

iii) ﴿اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ ''یا لوگوں کو آپس میں صلح کا مشورہ دے''۔ یہ ''اصلاح ذات البین'' ہے کہ لوگوں کے مابین مصالحت کرانا۔ اس کے لئے یہ کرنا

پڑے گا کہ آپ علیحدگی میں ایک فریق کی بات سنیں' پھر دوسرے فریق کا موقف سنیں۔ اگر وہ آمنے سامنے ہوں گے تو آپس میں الجھ پڑیں گے' فوراً مشتعل ہو جائیں گے۔ اب آپ علیحدگی میں ایک کی بات سن کر اسے سمجھائیں اور ٹھنڈا کریں۔ پھر دوسرے فریق سے جا کر بات کریں۔ اس معاملے میں یہاں تک اجازت ہے کہ فرض کریں پہلے فریق نے غیظ وغضب کی حالت میں دوسرے فریق کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کئے تو اسے چھپالیں' اس میں توریہ کی حد تک گنجائش ہے' بلکہ اصلاحِ ذات البین کے لئے اس طرح کی کوئی بات اپنی طرف سے بھی کہی جاسکتی ہے کہ تمہارے لئے اُس کے دل میں محبت ہے' یہ تو وقتی طور پر تمہارے مابین غلط فہمی ہوگئی ہے' کچھ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے مابین عداوت کے بیج بو دیئے ہیں۔ دین میں اس کے لئے انتہائی تاکیدی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لئے کہ اس کا مقصد بہتری پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ صرف اہل ایمان کے لئے نہیں ہے' بلکہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ﴾ کہ لوگوں کے مابین اصلاح' عام انسانوں کے مابین مصالحت کی کوشش۔ سورۃ الحجرات میں تو الفاظ ہیں: ﴿وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا﴾ ''اگر مؤمنوں کے دو گروہ باہم جھگڑا کریں تو ان کے مابین صلح کراؤ''۔ لیکن یہاں الفاظ صرف مؤمنین کے لئے نہیں ہیں' بلکہ ''اصلاح بین الناس'' کے الفاظ ہیں۔ اس کے لئے سنن ابی داؤد' سنن ترمذی اور مسند احمد میں تاکیدی حدیث موجود ہے کہ یہ کام نماز و روزہ سے افضل ہے کہ لوگوں کے مابین مصالحت کراؤ اور ان کے بگڑے ہوئے تعلقات کو سدھارنے اور سنوارنے کی کوشش کرو۔ تو ان تین کاموں کے لئے علیحدگی میں جا کر سرگوشی کرنا خیر کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی کام کے لئے سرگوشی ہوگی تو اس میں خیر نہیں ہے' چاہے آدمی خود کو کتنا ہی دھوکہ دے کہ میں یہ کام نیک نیتی سے کر رہا ہوں' بھلائی کے لئے کر رہا ہوں' لیکن حقیقتاً وہ خیر سے خالی ہوگا۔ آگے فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ ''اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضاجوئی کے لئے کرے گا تو ہم اسے عنقریب اجرِ عظیم سے نوازیں گے''۔

اب آیئے اس پس منظر میں سورۃ المجادلہ کی آیات پر غور کر لیا جائے۔ فرمایا:
﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟'' یہ درحقیقت جانی پہچانی اور تمہاری مانی ہوئی حقیقت ہے جس سے تمہیں اس وقت ذہول ہو رہا ہے' اس وقت تم اس کو بھلا رہے ہو۔ یہ تمہید ہے کہ کس سے چھپ کر کانا پھوسی کر رہے ہو؟ ایک کان تو ہمیشہ ہر جگہ سننے والا موجود ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری ان باتوں کو سننے والا کوئی نہیں ہے۔ اللہ تو سن رہا ہے۔

﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ ''نہیں ہوتا ان میں سے کسی بھی تین افراد کا باہم سرگوشی کرنا مگر یہ کہ اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے''۔ ﴿وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾ ''اور نہ پانچ کا (نجویٰ ہوتا ہے) مگر یہ کہ اللہ ان کا چھٹا ہوتا ہے''۔ ﴿وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ﴾ ''نہ اس سے کم''۔ دو بھی باہم سرگوشیاں کر رہے ہیں تو بھی تیسرا اللہ موجود ہے۔ دو سے کم تو نہیں ہو سکتے' کیونکہ ایک آدمی تو بیٹھ کر سوچ ہی سکتا ہے۔ ﴿وَلَآ اَكْثَرَ﴾ ''نہ اس سے زائد''۔ ﴿اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ ''مگر یہ کہ اللہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوتے ہیں''۔ وہ چاہے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے ہوں' یا کھوہ میں چھپ کر مشورے کر رہے ہوں' یا کہیں زمین کے پیٹ میں گھس کر یا فضا کی پنہائیوں میں کر رہے ہوں' خواہ کہیں بھی ہوں گے اللہ ان کے ساتھ ہے۔ ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''پھر اللہ انہیں قیامت کے دن جتلا دے گا جو وہ کرتے رہے ہوں گے''۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔ یہاں نَبَّاَ' يُنَبِّئُ کا لفظ ہے۔ اس کے علاوہ نَبَّهَ يُنَبِّهُ کا لفظ آتا ہے جو تنبیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ متنبہ کرنا۔ جبکہ یہ ''نَبَّاَ'' سے ہے جس کا مطلب ہے ایک ایک کر کے جتلا دینا کہ تم نے فلاں تاریخ' فلاں وقت یہ مشورے کئے' یہ ہے تمہارا نجویٰ۔

آگے فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا

عَنْهُ ﴾[1] ''کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں نجویٰ سے روکا گیا تھا؟ پھر بھی وہ وہی حرکت کئے جاتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا''۔ دیکھئے وہ روکنے کا بہترین اور لطیف ترین انداز تھا۔ اس میں ڈانٹ ڈپٹ' سختی اور گرفت کا انداز نہیں تھا' بالکل ایسے جیسے کوئی کائناتی حقیقت بیان کی جارہی ہو کہ ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ یعنی جان لو اِن تین کاموں کے سوا جو کچھ ہے اس میں خیر نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے جن کے دلوں میں اصلاح پذیری کا مادہ تھا وہ اگر غیر شعوری طور پر یہ کام کر رہے تھے تو اب شعوری طور پر رک گئے' ٹھٹک گئے' انہوں نے اپنی باگیں کھینچ لیں۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں میں روگ یا مرض ہوتا ہے تو ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ﴾ کے مصداق ان کا روگ تو مسلسل بڑھتا ہے۔ اب یہاں اُن کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ یہ اُس معاشرے میں وہ لوگ تھے جنہیں آج ہم منافقین کہتے ہیں۔ لیکن ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا نہیں تھا کہ یہ منافق ہیں' بلکہ وہ مسلمان ہی سمجھے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے علم میں تھا کہ کون منافقین ہیں' لیکن حضور ﷺ نے اسے ایک راز ہی رکھا ہے۔ اپنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو اگر چند خاص منافقین کا نام بتا بھی دیا تھا تو انہیں بھی آگے بیان کرنے سے سختی سے روک دیا تھا کہ یہ ایک راز ہے۔ لہٰذا وہ مسلمانوں میں گڈمڈ تھے۔ اس اعتبار سے یہ نہ سمجھئے کہ اس کا ہم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اصل میں تو قرآن مجید میں جو بھی منافقین کا بیان ہے ہم اس سے اس وجہ سے محروم رہتے ہیں کہ ہم انہیں ایک علیحدہ category قرار دے کر سمجھتے ہیں کہ ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ تو یہ سمجھئے کہ یہ درحقیقت ہمیشہ مسلمانوں میں گڈمڈ ہوتے ہیں۔ یہ بہتر سے بہتر جماعت میں موجود تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے تو بہتر جماعت نہیں ہو سکتی' اس میں یہ ففتھ

---

(۱) اس آیت سے بھی میرا گمان ہے کہ سورۃ النساء' سورۃ المجادلہ سے پہلے نازل ہوئی ہے' کیونکہ اس مقام کے علاوہ قرآن مجید میں نجویٰ کے بارے میں صرف سورۃ النساء کی ایک آیت ہے۔ تو محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اُس آیت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔

کالمسٹ عنصر موجود تھا۔ غور کیجئے کہ تا بہ دیگراں چہ رسد۔ کون سی جماعت یہ سمجھ سکتی ہے کہ ہم اس سے بالاتر ہیں' منزہ اور پاک ہیں!

﴿وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ﴾ ''اور یہ لوگ چھپ چھپ کر آپس میں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں''۔ یعنی مندرجہ بالا تین چیزوں کے مقابلے میں یہ جو نجوٰی کرتے ہیں' سرگوشیاں اور کھسر پھسر کرتے ہیں' وہ ایک تو گناہ کے لئے ہوتا ہے۔ لفظ ''اِثْم'' کا ترجمہ ہم ''گناہ'' کرتے ہیں اور ''عُدوان'' کا ترجمہ ''زیادتی''۔ اصل میں گناہ کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ہے کوتاہی' یعنی آپ اپنا فرض ادا نہیں کر رہے۔ اور دوسرا ہے زیادتی' کہ کسی کے حق پر دست درازی کرنا' حملہ آور ہونا۔ یہ دو پہلو علیحدہ ہیں۔ لہٰذا اگر آپ ایمان کا تقاضا پورا نہیں کر رہے تو یہ 'اِثْم' ہے۔ اہل عرب اس اونٹنی کو ''آثِمَۃ'' کہتے ہیں جو قافلے سے پیچھے رہ گئی ہو۔ اگر کوئی اونٹنی قافلے میں موجود تمام اونٹوں اور اونٹنیوں کے ساتھ ساتھ چلے گی تب ہی وہ قافلہ بنے گی' ورنہ تو وہ قافلے سے پیچھے رہ جائے گی اور اب وہ 'آثمہ' کہلائے گی۔ اب یوں سمجھئے کہ جن فرائض کی ادائیگی کے لئے کوئی اجتماعی نظام قائم ہوا ہے' جو لوگ ان فرائض کو بحسن و خوبی ادا کر رہے ہوں وہ تو گویا قافلے کے ساتھ چل رہے ہیں' جبکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو پیچھے ہوتے ہیں اور اپنے ان تقاضوں کو پورا نہیں کر پا رہے ہوتے۔ تو یہ 'اِثْم' ہے۔ ایسے آدمی کی عزتِ نفس اسے ابھارتی ہے کہ دیکھو ایسا دُم کٹا کوئی اور بھی ہے یا نہیں! تو جن کے اندر کسل ہوتا ہے ان کے مابین affinity پیدا ہو جاتی ہے اور وہ پیچھے رہ جانے والے خود بخود ایک دوسرے کی طرف ایک میلان محسوس کرنے لگتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے جواز فراہم کرتے ہیں۔ تو اس کا پہلا عنوان ہے ﴿يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ﴾ 'اِثم' کے معنی روکنے کے بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسرے کی خیر خواہی کے انداز میں کہتے ہیں کہ بے وقوف بنو' یہ تو پاگل ہیں' لیکن ہمیں تو دیکھ کر چلنا ہے اور انہیں بھی سمجھانا ہے۔ جیسے اُس دَور کے منافقین کہا کرتے تھے: ﴿اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ﴾ ''کیا ہم ایمان لے آئیں ان بے

وقوفوں کی طرح؟'' انہیں تو کسی خیر و شر اور نفع و نقصان کی فکر نہیں ہے۔ یہ تو دیوانے (fanatics) ہو گئے ہیں۔ تو اب اس طرح کی گفتگو ہو گی۔ ﴿ وَالْعُدْوَانِ ﴾ ''اور زیادتی کے لئے (سرگوشیاں کرتے ہیں)''۔ یہ دوسرا رخ ہے کہ کسی کی عزت پر حملہ کرنا' کسی کے حقوق پر دست درازی۔

﴿وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ﴾ ''اور رسولؐ کی نافرمانی کے لئے (سرگوشیاں کرتے ہیں)''۔ یہاں رسول کی حیثیت ذہن میں رکھئے! رسول کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ رسول کی ایک حیثیت اس جماعت کے امیر کی بھی ہے اور رسول کی ایک حیثیت اس ریاست کے سربراہ کی بھی ہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جو زیادہ کٹھن گزرتا ہے۔ میرے نزدیک نفاق کے موضوع پر سورۃ النساء قرآن مجید میں اصولی طور پر اہم ترین سورت ہے۔ اب جو چیزیں نفاق کا اصل سبب بنتی تھیں ان میں سے ایک اہم چیز ''رسول کی اطاعت'' تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول بھی تو آخر ہمارے جیسے انسان ہیں۔ بس ان پر وحی اترتی ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ باقی تو یہ ہمارے جیسے انسان ہیں' ہم کیسے ان کے آگے سر جھکائیں! کیا ان سے خطا نہیں ہو سکتی؟ کیا ہماری بات بہتر نہیں ہو سکتی؟ ہمیں تجربہ حاصل ہے' ہم جانتے ہیں' ہم معاملات کو چلاتے رہے ہیں۔ انہیں تو کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہی جاتی تھیں۔ یہ ہے معصیت رسولؐ' رسول کے حکم سے سرتابی۔ منافقین کی علامتیں اور ان کے مشاغل قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہیں۔ انہیں حضور ﷺ سے جو کد ہو گئی تھی اس کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوتا تھا۔

آگے فرمایا: ﴿ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ﴾ ''جب یہ آپؐ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو وہ دعا دیتے ہیں جو اللہ نے آپ کو نہیں دی''۔ عربوں کا ایک عام دعائیہ کلمہ ''حَيَّكَ اللّٰهُ'' ہے جس کے معنی ہیں ''اللہ تمہاری عمر دراز کرے''۔ یہیں سے لفظ ''تَحِيَّة'' بنا ہے جو اپنے نیک جذبات کا اظہار ہے۔ اسے آپ Greetings کہتے ہیں۔ اصل سلام تو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''

ہے' لیکن منافقین ''السّام علیکم'' کہتے تھے' جس کے معنی ہیں ''تم پر موت آئے''۔ (معاذ اللہ۔ نقل کفر کفر نباشد!) اگر کوئی پکڑ لیتا تو کہنے لگتے کہ ہم نے تو السلام علیکم کہا ہے' شاید آپ کو ٹھیک سنائی نہیں دیا' ذرا اپنے کان کی میل نکلوایئے اور اس میں تیل ڈلوایئے! الٹا اسے شرمندہ کر دیتے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ﴾ ''اور وہ اپنے جی میں کہتے اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا اُس پر جو ہم کہتے ہیں''۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ میں مثال آئی ہے کہ ''رَاعِنَا'' کے بجائے ''رَاعِیْنَا'' کہتے' یعنی ''اے ہمارے چرواہے!'' ''رَاعِنَا'' ایک مجلسی کلمہ تھا کہ ہماری طرف ذرا متوجہ ہوں' ہمارا لحاظ کیجئے' ہم بات سمجھ نہیں سکے۔ جیسے ''pardon'' کا لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ معاف کیجئے گا۔ لیکن وہ ''رَاعِیْنَا'' کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ اور شیطان کا وسوسہ دیکھئے: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ﴾ ''اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری ان باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟'' یعنی شیطان اب اور پٹی پڑھا رہا ہے کہ دیکھو' تم نے رسول (ﷺ) سے گستاخی کی۔ اگر یہ رسول ہوتے تو اللہ تمہاری زبان گدی سے کھینچ لیتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا شک وشبہ صحیح ہے۔ یہ ہے وہ برائی کا چکر (Wicious circle) یعنی ایک برائی دوسری برائی کو جنم دیتی ہے اور دوسری پہلی برائی کو مزید تقویت دیتی ہے کہ دیکھو بھائی میں نے تو اس وقت اتنا کلام کر دیا' اب اگر فی الواقع یہ رسول ہوتے تو کیا اللہ اس کو گوارا کرتا' کیوں نہیں اللہ اس پر ہمیں عذاب دیتا جو ہم کہہ رہے ہیں! اس کا مطلب صاف ہے کہ یہ رسول نہیں ہیں اور ہمارا شبہ صحیح ہے۔ فرمایا: ﴿حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ﴾ ''ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں یہ پہنچ کر رہیں گے (جھونکے جائیں گے)'' ﴿فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝﴾ ''اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے''۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور

رسول کی نافرمانی کی باتیں نہ کرو'۔ یعنی اگر تمہیں نجویٰ کرنا ہی ہے' تنہائی میں گفتگو کرنی ہی ہے' کوئی مل بیٹھنے کا موقع آ ہی گیا ہے تو ان تین چیزوں سے بچو: (i) اثم' (ii) عدوان' (iii) معصیت رسول۔ ﴿وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ ''اور تنہائی میں نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو''۔ اگر نجویٰ کرنا ہی ہے تو نیکی اور تقویٰ کے لئے کرو' خیر اور بھلائی کے لئے کرو' ایک دوسرے کو نیکی پر آمادہ کرو' ایک دوسرے کی طبیعت میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے تو اس کو دور کرو' دوسرے کی ہمت اگر پست ہو رہی ہے تو اسے ہمت دلاؤ۔ لیکن اثم' عدوان اور معصیت رسول سے بچو۔ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝﴾ ''اور تقویٰ اختیار کرو اس اللہ کا جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے''۔

﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ﴾ ''جان لو کہ کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے''۔ آج میں نے وہیں سے بات شروع کی ہے کہ جو اجتماعیت دین کا بول بالا کرنے کے لئے وجود میں آئی ہے تو شیطان کو سب سے بڑھ کر تکلیف لازماً اسی سے ہو گی' چنانچہ وہ اپنی توجہات سب سے زیادہ اسی پر مرکوز کرے گا ﴿لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''(اور یہ اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ اہل ایمان کو غم ہو' اندوہ ہو' رنج' صدمہ ہو' ان کی یکسوئی اور یک جہتی مجروح ہو' ان کے دلوں میں خلجان پیدا ہو جائے۔ یہ ہے جس کے لئے شیطان نجویٰ کا جال بچھاتا ہے اور اس کے اندر اس نے بڑی خوش نمائی پیدا کر دی ہے۔ ﴿وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''حالانکہ اذنِ خدا کے بغیر وہ (نجویٰ) انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔ اب یہ اہل ایمان کو اطمینان دلانے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ مطمئن رہو' تمہیں اللہ کے اذن کے بغیر کوئی کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ جیسے ہم کہتے ہیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ شیطان کو ہرگز کوئی اختیار حاصل نہیں ہے' اگر اس کا کوئی وار کارگر ہوتا بھی ہے تو وہ بھی اذنِ ربّ سے ہوتا ہے' اس میں بھی اللہ کی طرف سے کوئی خیر ہوتا ہے' کوئی تمہاری تربیت یا اصلاح مقصود ہوتی ہے' اللہ اسے تمہاری اصلاح کا بہانہ بناتا ہے۔ ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ''اور اہل ایمان کو تو اللہ پر اپنا پورا توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے''۔

اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اس میں زیادہ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ حتی الامکان سد باب کرو' لیکن جس شخص کا معاملہ اللہ کے ساتھ صاف ہے اسے ان چیزوں سے زیادہ دلگیر اور دلگرفتہ نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ ان تمام مفاسد سے اس ہیئت اجتماعیہ کو پاک کرنے کی کوشش کرنا بالکل دوسری بات ہے۔

چونکہ میں نے پس منظر بیان کر دیا ہے اس لئے آپ کو یہ بات سمجھنے کی کافی سہولت ہو جائے گی۔ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ ﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادگی پیدا کرو تو کھل کر بیٹھا کرو' اللہ تمہارے لئے کشادگی پیدا کرے گا''۔ بڑا پیارا ربط ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ جو تین چار آدمی علیحدگی میں آپس میں ملاقاتیں کرتے ہیں اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں وہ جب کسی اجتماع میں آئیں گے تو بھی اکٹھے بیٹھیں گے اور علیحدگی میں کھسر پھسر اور سرگوشیاں کریں گے' کن انکھیوں میں تبادلۂ خیال کریں گے جو بہت خطرناک ہے۔ تب ہی تو کہا جا رہا ہے کہ جب تم سے کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھ جایا کرو' اللہ تمہارے لئے کشادگی پیدا کرے گا۔ یوں سمجھئے اس نجویٰ کا ظہور اب مسلمانوں کے اجتماعات کے اندر ہونے لگا تھا جس کے لئے کہا جاتا تھا کہ کھل کر بیٹھو' تاکہ آپ کے مابین جگہ ہو اور کوئی اور آنے والا بیٹھ سکے۔ منافقین اس طریقے سے جتھہ بندی کرتے تھے کہ ان کے مابین کوئی تیسرا آدمی نہ بیٹھ جائے' کیونکہ اگر ان میں کوئی باہر کا آدمی شامل ہو گیا تو وہ ان کی رپورٹ کرے گا اور یوں ان کی باتیں دوسروں کے علم میں آ جائیں گی۔ لہٰذا کہا جا رہا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی پیدا کرے گا اور تنگیوں سے جو فساد پیدا ہو رہا ہے اس کی روک تھام کی جا سکے گی۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ﴾ ''اور جب کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو''۔ یہ اب ان کے نجویٰ کی تیسری شکل ہوتی ہے۔ اجتماع اختتام پذیر ہو جائے اور کہہ دیا جائے کہ اب آپ تشریف لے جائیے تو ان لوگوں کا نجویٰ فوراً وہیں شروع ہو

جاتا ہے۔ کچھ دیر اطمینان سے بیٹھے رہتے ہیں' تاکہ دورانِ اجتماع اگر کوئی تبصرے نہیں ہو سکے تو تبادلۂ خیال کرلیں اور ایک دوسرے کو فقرے بازیوں پر داد دے لیں۔ لہٰذا وہ وہاں سے فوراً روانہ نہیں ہوتے۔ اس لئے اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ ﴾ ''تم میں سے جو لوگ واقعی اہل ایمان ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے' اللہ ان کے درجات بلند کرے گا''۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر صنعتِ لفظی کا ایک خوبصورت انداز ہے۔ یہ بھی کلام کا ایک حسن ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اے اہل ایمان! جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو' اللہ تمہیں اونچا کرے گا۔ اگر تم خلوص و اخلاص کے ساتھ احکام مانو گے تو اللہ تمہیں رفعت عطا فرمائے گا۔

اس ضمن میں بعض حضرات نے بڑی عمدہ بات کہی ہے۔ بعض اوقات کسی اجتماع میں یہ صورت پیش آتی ہے کہ دو حضرات آپس میں سرگوشی کر رہے ہیں' جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ یہاں سے اُٹھ کر وہاں بیٹھئے تو اس میں آدمی اس وقت اپنی توہین محسوس کرتا ہے' حالانکہ سوچنا چاہئے کہ کوئی شخص ہے جو اس اجتماع کو conduct کر رہا ہے اور اس کی نگاہ میں یہ بات آ گئی ہے' لہٰذا وہ اس اجتماع کی تاثیر کو ختم کرنے والی شے کو رفع کرنا چاہتا ہے تو اس میں انسان اپنی توہین محسوس نہ کرے۔ اس لئے کہ جو صاحب امر اور ذمہ دار ہے اسے اس کا نظم چلانا ہے' اسے اس اجتماع کو بہتر سے بہتر نتیجے تک منتج کرنا ہے' نتیجہ خیز اور بار آور بنانا ہے' لہٰذا اگر کہہ دیا جائے کہ اٹھ جایئے یا یہ کہ فلاں جگہ پر تشریف لے جایئے تو اس پر برا نہیں ماننا چاہئے۔ بہر حال جو صاحب علم ہوگا اور جس کے دل میں ایمان کی رمق ہوگی وہ اسے خیر سمجھے گا اور اس ہدایت پر عمل اپنی توہین نہیں سمجھے گا' تو اللہ اس کے درجات بلند کرے گا' لیکن جس کے دل میں روگ ہو وہ اسے برا مانے گا کہ اسے نمایاں کر کے سب کے سامنے ذلیل کر دیا گیا ہے' جبکہ یہ کام اس کے بجائے کوئی دوسرا کر رہا تھا اور دوسرے کا وبال اس پر آ گیا ہے۔ حالانکہ

اسے سوچنا چاہئے کہ اگر وہ اس غلطی کا ارتکاب نہیں کر رہا تھا اور غلطی سے اسے اٹھ جانے کو کہہ دیا گیا ہے تو کون سی قیامت آ گئی ہے! اگر اس کام کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے مثبت انداز میں سوچا جائے پھر تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ ٹھیک ہے وہ صاحب نظم ہے، اس سے غلطی ہو بھی گئی ہے تب بھی کسی کی کوئی توہین نہیں ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ حساسیت انہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کے دل میں کچھ کبر اور فساد ہوتا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے: ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ ورنہ انسان سوچے گا کہ اگر میرا قصور نہیں بھی تھا، بلکہ کچھ زیادتی ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کا کوئی نہ کوئی اجر عطا فرمائے گا' compensate کرے گا' اگر صاحب امر نے زیادتی کی ہے تو اس کی کوئی نیکی مجھے مل جائے گی' لہٰذا مجھے تو کوئی نقصان نہیں ہے' میرے لئے تو بس حصول ہی حصول ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایمان اور خلوص و اخلاص ہو' اور اس اجتماعیت سے مخلصانہ تعلق ہو۔ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''۔

اس میں ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ جو شخص کسی اجتماعی جدوجہد میں شریک نہیں ہے تو قرآن مجید کی یہ باتیں اسے کس طرح سمجھ میں آئیں گی! ان کا محض ترجمہ تو کیا جا سکتا ہے مگر ان کی اہمیت و عظمت اسی صورت میں سمجھ آ سکتی ہے جب کسی اجتماعیت میں شریک ہوا جائے' ورنہ تو لوگ سمجھیں گے کہ ٹھیک ہے یہ اللہ کا کلام ہے اور ہم نے اسے پڑھ کر ثواب حاصل کر لیا ہے۔ لیکن یہ کہ ان باتوں میں کیا حکمتیں ہیں اور ان میں ہمارے لئے کیا ہدایات مضمر ہیں' یہ حقیقت اسی وقت ابھر کر اور نکھر کر سامنے آئے گی جب مقصد زندگی اقامت دین معین ہو چکا ہو' جس کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ﴾ (الحدید:۲۵)

''تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا اتارا جس میں لڑائی کی سخت قوت ہے اور لوگوں کے لئے دوسرے فوائد بھی ہیں۔ اور (اس لئے بھی) تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے اس کو جو مدد کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی غیب میں

رہتے ہوئے''۔

اقامت دین کے لئے جو اجتماعیت قائم ہوئی ہے اس کی مصلحتیں اور اس کا تحفظ اللہ کی نگاہ میں کتنا عزیز ہے' یہ وہ بات ہے جو سمجھ میں آئے گی تو ہی اس کی اہمیت و عظمت منکشف ہوگی۔

ایک اور مسئلہ بھی ہے جو اجتماعی زندگی کا بڑا اہم مسئلہ ہے' ہر صاحب امر کو اس سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اوّل تو ہر شخص فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اسے صاحب امر سے قرب ہو' اس سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملے' یہ فطری اور اچھی بات ہے' اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ لیکن اس کا ایک منفی رخ بھی ہے' کہ کچھ لوگ کام میں تو پیچھے ہوتے ہیں' لیکن اپنی دولت یا وجاہت دُنیوی کی وجہ سے کچھ نمایاں ہوتے ہیں اور وہ اپنی اس دُنیوی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے صاحب امر کے قریب ہو کر بیٹھتے ہیں اور کان میں گفتگو کرتے ہیں' تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ وہ ان سے بہت قریب ہیں' امیر ان کی بڑی رعایت کرتے ہیں اور بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ وہ اس کے لئے اپنی حیثیت کو ذریعہ بناتے ہیں۔ سوچئے کہ امیر کے پاس تو وقت محدود ہے اور اجتماعیت کے حقوق بھی اس پر ہیں' تو جب اس کے وقت میں اس طرح سے دخل اندازی ہوتی ہے تو اس کا اجتماعیت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس بات کی قباحت کو تین درجات میں سمجھ لیجئے۔ یہ فطری خواہش ہوتی ہے اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے' لیکن مفسدین اسی چیز سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے مقام و مرتبہ کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عبداللہ بن اُبی خاص طور پر ایسا کرتا تھا۔ ویسے بھی وہ قبیلۂ خزرج کا سردار تھا' رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل اس کی بادشاہت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ جب حضور ﷺ کو خطبہ ارشاد فرمانا ہوتا تو پہلے وہ کھڑا ہوتا تھا اور لوگوں سے کہتا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں' ان کی بات پوری توجہ سے سنئے۔ اصل مقصد اپنی حیثیت اور سرداری کو نمایاں کرنا ہوتا تھا۔ اگر کوئی شخص امیر سے کہتا ہے کہ مجھے آپ سے تخلئے میں گفتگو کرنی ہے تو لوگوں کے سامنے آئے گا کہ یہ امیر سے بہت قریب ہیں اور ان کی

رائے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے' تبھی تو جب دیکھو یہ علیحدگی میں بات کرنے کے لئے وقت مانگ رہے ہوتے ہیں اور انہیں وقت دیا جاتا ہے۔

اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو وقت اجتماعی مصالح اور بہبود پر صرف ہونا ہو وہ اس طریقے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ آخر انسان کی صلاحیت اور قوتِ کار محدود ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ آپ شرافت اور مروّت کا پیکر مجسم تھے' سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی آپ زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ جیسے سورۃ الاحزاب میں آیا ہے کہ حضور ﷺ اہل ایمان کو کھانے کی دعوت دیتے تو کچھ لوگ بہت پہلے پہنچ جاتے' اب دھرنا مار کر بیٹھے ہوئے ہیں' جبکہ ابھی کھانا پکنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ پھر کھانا کھانے کے بعد بھی بیٹھے رہتے تھے۔ اس میں دونوں طرح کی باتیں ہو سکتی ہیں۔ اس میں مخلصین کے لئے تو یہ پہلو تھا کہ حضور ﷺ سے قرب کا موقع مل جاتا۔ اور جو حضور ﷺ کو تنگ کرنے والے تھے وہ اس کے ذریعے سے حضور ﷺ کو تنگ کرتے تھے' آپ کی privacy میں مخل ہوتے تھے اور جانے کا نام نہیں لیتے تھے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ نہ پہلے آ جایا کرو اور نہ بعد میں بیٹھے رہا کرو ﴿مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ﴾ کے الفاظ ہیں کہ کھانے کے بعد باتوں میں نہ مشغول ہو جایا کرو۔ یہ چیز نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دیتی ہے' لیکن وہ چونکہ حیا کا پیکر ہیں اس لئے وہ تم سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ ذکر قرآن میں ہے۔ اسی طرح اس معاملے میں کوئی تخلئے میں بات کرنے کے لئے وقت مانگ رہا ہے' تو اب وہ کس کس کو وقت دیں! جبکہ وہ انکار کسی کو نہیں کر رہے۔ اس کا تیسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کے پاس واقعی کوئی اہم بات ہو تو وہ رہ جاتی ہے۔ یہ ساری چیزیں عملی ہیں۔ اور یہ باتیں اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب انسان پر بیتتی ہے اور ان کا تجربہ ہوتا ہے' ورنہ تو معلوم ہوگا کہ' معاذ اللہ' اس کی کوئی خاص عملی اہمیت نہیں ہے۔

اس چیز کی روک تھام کے لئے اب فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم رسول سے علیحدگی میں کوئی بات کرو (تمہیں تخلئے میں کوئی بات کرنی ہو) تو اس سے پہلے (اللہ

کے راستے میں) کچھ صدقہ دے دیا کرو''۔ یہ گویا فیس لگا دی گئی ہے۔اور یہ فیس حضور ﷺ کو نہیں ملے گی (معاذ اللہ) بلکہ یہ صدقہ ہے' تا کہ کچھ تو بریک لگے۔ منافقین کو تو مال بہت مرغوب اور محبوب تھا' اور وہی نفاق کی جڑ ہے' تو یہ ایک چھلنی تو لگ جائے گی کہ کوئی صدقہ دے کر پھر علیحدگی میں کوئی بات کرے۔﴿ ذٰلِکَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَاَطۡہَرُ ؕ ﴾''یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور پاکیزگی کے اعتبار سے بڑھ کر ہے''۔﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴾''پھر اگر کچھ بھی نہ پاؤ تو اللہ غفور اور رحیم ہے''۔ اگر کوئی نادار ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔لیکن ان ناداروں میں تو وہ منافقین تھے ہی نہیں۔حضور ﷺ سے جو خصوصی کھسر پھسر کرنا چاہتے تھے وہ تو وہاں کے سردار اور صاحب ثروت و وجاہت لوگ تھے۔لہٰذا مساکین اور غرباء کے لئے راستہ کھلا رکھا گیا کہ اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے تو کوئی پروا نہیں۔ اصل مقصد تو اس غلط طرزِ عمل کی روک تھام تھا' جس کے لئے یہ چھلنی لگائی گئی ہے۔

﴿ ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىکُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ ﴾''کیا تم اس سے ڈر گئے ہو کہ تم (اپنے رسولؐ سے) تخلیہ میں گفتگو سے پہلے کوئی صدقہ دیا کرو؟'' گھبرا گئے ہو اس سے؟﴿ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا ﴾''تو اب جبکہ تم نے یہ نہیں کیا''۔ یہ مشکلات القرآن میں سے ہے۔بعض حضرات نے سمجھا ہے کہ یہ کسی نے بھی نہیں کیا۔اور ایک روایت میں حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر عمل کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہی تھا' مجھے حضور ﷺ سے علیحدگی میں کوئی بات کرنا تھی تو میں نے پہلے صدقہ دیا پھر گفتگو کی۔بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ حکم صرف چند گھنٹے کے لئے تھا' اس کے بعد یہ آیت جو اَب ہم پڑھ رہے ہیں' نازل ہو گئی تھی۔لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی' بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ وقت لگا ہوگا۔قرآن مجید میں اس کی مثالیں ہیں کہ بسا اوقات ناسخ و منسوخ دونوں ساتھ ساتھ رکھ دیئے گئے ہیں۔سورۃ المزمل میں اس کی سب سے بڑی مثال موجود ہے کہ آخری آیت جس پر دوسرا رکوع مشتمل ہے' وہ کچھ عرصہ کے بعد نازل ہوئی۔ ہمارے یہاں اس بارے میں اختلافِ روایات ہے۔کوئی کہتا ہے کہ

ایک سال بعد نازل ہوئی اور بعض حضرات اسے مدنی بھی مانتے ہیں۔ گویا کہ پہلے اور دوسرے رکوع کے مابین دس سے بارہ سال کا فصل ہے' لیکن مصحف میں وہ ساتھ ساتھ ہیں۔ یہی صورت حال سورۃ البقرۃ کے رکوع ۲۳ میں روزہ کے حکم کے بارے میں ہے' جسے اکثر لوگوں نے چونکہ اس پس منظر میں نہیں سمجھا اس لئے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ وہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ کچھ نہ کچھ فصل تو اس میں یقیناً ہوگا۔

یہاں ﴿ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا ﴾ میں یہ اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم اب اس غلط حرکت سے باز آ گئے ہو اور جو اس عارضی حکم کا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا۔ بہرحال اس کا ایک ترجمہ تو یہ ہوسکتا ہے کہ تم نے صدقہ نہیں دیا اور ڈر کر حضور ﷺ سے خلوت میں بات کرنا چھوڑ دی۔ اور ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جبکہ تم نے اس بے احتیاطی کو ترک کر دیا تو جو ضرورت تھی وہ ختم ہوگئی' لہٰذا اب ہم اپنے اس حکم کو منسوخ کر رہے ہیں۔ ﴿وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اور اللہ نے (عنایت کے ساتھ) تم پر توجہ فرمائی۔'' یعنی نظر عنایت کی۔ اللہ کی توبہ بندوں پر شفقت و رحمت کی نگاہ کرنا ہے۔ اللہ نے تم پر رحم فرمایا' مہربانی کی۔ ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''تو نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی''۔ یعنی جو مطلوب شے ہے وہ یہ ہے کہ اس نظم کو مضبوط کرو۔ اس کے لئے نماز اللہ کے ساتھ تمہارے تعلق کو مضبوط کرنے والی شے ہے۔ اب تم اس نظم اور ڈسپلن کو مضبوط رکھو۔ یہ ڈسپلن فی ذاتہٖ مطلوب نہیں ہے' یہ ایک عظیم مقصد کے لئے مطلوب ہے۔ اور جسے وہ مقصد عزیز ہوگا وہ اس نظم کی امکانی حد تک حفاظت کرے گا' اسے مضبوط رکھے گا' اس میں رخنوں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے''۔

(مرتب: طارق اسماعیل ملک)

۞ ۞ ۞

لغو اور عبث
کاموں سے پرہیز کی اہمیت

تحریر: مولانا سید اخلاق حسین قاسمی، دہلی

قرآن کریم میں بے فائدہ اور نکمی باتوں سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی دس آیتوں میں نماز کے بعد ایمان والوں کی دوسری صفت یہی بیان کی گئی ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۞﴾ (المؤمنون: ۱-۴)

''بے شک وہ ایمان والے کامیاب رہتے ہیں جو اپنی نمازوں میں عاجزی اختیار کرتے ہیں اور فضول باتوں سے دُور رہتے ہیں اور زکوٰۃ دینے والے ہیں۔''

قرآنی لفظ ''لغو'' کا ترجمہ مختلف اہل تراجم نے حسب ذیل کیا ہے:

سخن ناشائستہ (عبدالقادر جرجانی)، از بے ہودہ (شاہ ولی اللہ)، بے فائدہ بات (شاہ رفیع الدین)، نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے (شاہ عبدالقادر)، لغو باتوں سے خواہ قولی ہوں یا فعلی، برکنار رہنے والے (تھانوی صاحب)، نکمی باتوں کی طرف رُخ نہیں کرتے (ڈپٹی صاحب)، نکمی باتوں (آزاد)، لغویات سے دُور رہتے ہیں (مودودی صاحب)

سورۃ الفرقان میں ''عباد الرحمٰن''، یعنی رحمان کے خاص بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۞﴾ (آیت: ۷۲)

''اور جب فضول اور بے کار باتوں پر سے ان کا گزر ہو جاتا ہے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔''

''لغو'' قرآن کا اصطلاحی لفظ ہے' جس میں فضول باتیں یا فضول اور بے مقصد کام' دونوں داخل ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے سورۃ الفرقان کی آیت میں لغو کا ترجمہ ''کھیل کی باتوں'' کیا ہے اور حاشیہ پر لکھا ہے:

''کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے' نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں۔''

شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ رحمان کے خاص بندے وہ ہیں جو بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے' اور چونکہ وہ بے فائدہ اور بے مقصد کام شرعاً ممنوع اور ناجائز نہیں ہوتے اس لئے ان کے ساتھ دلچسپی رکھنے والوں سے الجھنا بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ سورۃ الفرقان کے اس لفظ کے تراجم حسب ذیل ہیں: ناپسندیدہ' بے ہودہ۔ کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگی رکھ کر (شاہ صاحب)۔ بے ہودہ مشغلوں کے پاس سے ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں (تھانوی صاحب)۔ اتفاق سے بے ہودہ مشغلوں کے پاس سے ہو کر گزریں تو وضع داری کے ساتھ گزر جائیں (ڈپٹی صاحب)

لغو کے علاوہ اسی مفہوم کے لئے قرآن کریم نے عبث کا لفظ بھی استعمال کیا ہے:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۞ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۞﴾ (المؤمنون:۱۱۵)

''(اے لوگو!) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس قسم کے بے فائدہ کام کرنے سے' وہ بادشاہ برحق ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ عرش کریم کا پروردگار ہے۔''

قومِ عاد مشہور ہلاک شدہ عرب قوم ہے' یہ قوم نام ونمود اور شہرت حاصل کرنے کی غرض سے اونچے اونچے مقامات پر بڑی بڑی عمارتیں' بُت خانے اور محلات تعمیر کرتی تھی۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اس قوم سے فرمایا:

﴿اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ۞﴾ (الشعراء:۱۲۸)

''کیا تم لوگ ہر بلند مقام پر ایک یادگار تعمیر کرتے ہو اور ایک بے فائدہ کام

کرتے ہو؟''

شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''ان لوگوں کو شوق تھا اُونچے مینارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے''۔ کام کی عمارتیں' مسجدیں' سرائیں اور مدرسے ہیں' لیکن یہ بڑے بڑے سنگین مقبرے اور مینارے کس مقصد کے ہیں؟

رسول اکرم ﷺ نے لغو اور عبث کی جگہ تیسرا لفظ ''لایعنی'' استعمال کیا اور اُمت کو لایعنی کاموں سے دُور رہنے کی ہدایت کر کے اُمت کو وقت کی قدر کرنے اور تعمیر پسندی کا مزاج بنانے کی راہ پر ڈالا۔

اس اہم اخلاقی صفت کی تربیت کا انداز حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے حسب ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اندازِ تربیت

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ اترا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا:

بِاَبِیْ اَنْتَ مَالِیْ اَرَاکَ مُتَغَیِّرًا؟

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ آپؐ کا روئے انور متاثر ہے۔ آپؐ کا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟ کیا یہ حقیقت ہے یا میری آنکھیں دھوکہ کھا رہی ہیں؟ حضرت کعبؓ نے نہایت احترام و ادب کے پیرائے میں یہ بات کہی۔ حضور ﷺ نے جواب دیا: ''نہیں اے کعب ایسا نہیں' تم ٹھیک دیکھ رہے ہو''۔

((مَا دَخَلَ جَوْفِیْ مَا یَدْخُلُ جَوْفَ ذَاتِ کَبِدٍ مُنْذُ ثَلَاثٍ))

''میرے پیٹ میں تین وقت سے کوئی دانہ تک داخل نہیں ہوا''۔

میں یہ سن کر باہر آ گیا۔ ایک یہودی اپنے اونٹ کو پانی پلانے کے لئے کھڑا تھا۔ میں نے اسے پانی پلایا اور ایک ڈول پر ایک کھجور حاصل کی۔ یہ کھجوریں لے کر میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (عرب کا اونٹ دو چار ڈولوں سے سیراب نہیں ہوتا' بلکہ وہ بیسیوں ڈول پانی اپنے پیٹ میں ذخیرہ کر لیتا ہے۔ قدرت نے اس میں یہ صلاحیت پیدا

کی ہے۔) حضور ﷺ نے کعب کے اچانک چلے جانے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور وہ کھجوریں خدمت اقدس میں پیش کر دیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

((اَتُحِبُّنِیْ یَا کَعْبُ))

''اے کعب! کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا:

((اِنَّ الْفَقْرَ اَسْرَعُ اِلٰی مَا یُحِبُّنِیْ مِنَ السَّیْلِ اِلٰی مَعَادِنِہٖ وَاِنَّہٗ سَیُصِیْبُکَ بَلَاءٌ فَاَعِدَّ لَہٗ تِجْفَافًا))

''اے کعب! فقر و فاقہ میرے ساتھ محبت کرنے والوں کی طرف اس طرح دوڑتا ہے جس طرح سیلاب کا پانی نشیب کی طرف دوڑتا ہے۔ بے شک تجھے آزمائش (غربت) گھیرے گی پس تو اس کے لئے ڈھال تیار کر لے''۔

عربی میں تِجفاف ڈھال یا زرہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ حملہ سے بچاؤ کیا جاتا ہے۔ ڈھال سے حضور ﷺ کی مراد ''صبر کی قوت'' ہے۔ صبر و تحمل کی قوت ہی سے مصائب کو سہارنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ صبر کا ترجمہ سہار کرتے ہیں:

﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ﴾ (البقرۃ:۴۵)

''اور قوت پکڑو محنت سہارنے سے اور نماز سے''۔

پھر عرصہ تک کعب رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے نہیں دیکھا اور ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھا: ''کعب کہاں چلے گئے؟'' لوگوں نے کہا: وہ بیمار پڑے ہوئے ہیں۔ آپؐ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور انہیں بشارت دی:

((اَبْشِرْ یَا کَعْبُ)) ''کعب بشارت ہو!''

ان کی والدہ نے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ کہا:

ھَنِیْئًا لَکَ الْجَنَّۃُ یَا کَعْبُ ''کعب جنت مبارک ہو!''

حضور ﷺ نے یہ جملے سن کر فرمایا:

((مَنْ ھٰذِہِ الْمُتَاَلِّیَۃُ عَلَی اللّٰہِ)) ''یہ کون ہے جو خدا پر قسم چڑھا رہی ہے؟''

یعنی کعب کے لئے جنت کی خبر دے کر خدا تعالیٰ کو پابند کر رہی ہے۔ کعب نے کہا:

حضور ﷺ! یہ میری ماں ہیں۔ آپؐ نے کعب کی ماں کو مخاطب کیا اور فرمایا:

((مَا یُدْرِیْکِ یَا اُمَّ کَعْبٍ؟ لَعَلَّ کَعْبًا قَالَ مَا لَا یَعْنِیْهِ اَوْ مَنَعَ مَالَا یَعْنِیْهِ))

''اے اُم کعب! تمہیں کیا خبر کہ کعب نے فضول اور بے مقصد باتیں اور بے کار کام کئے ہیں یا ان سے پرہیز کیا ہے؟'' (حیات صحابہ' عربی' ج ۲' ص ۳۱۹)

حضور ﷺ کو کعبؓ کے بارے میں یقین تھا کہ وہ دین کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں پختہ اور مضبوط رہے ہیں' اس لئے آپؐ نے فرائض دین کے بارے میں بے اطمینانی کا اظہار نہیں فرمایا' البتہ لایعنی اور غیر مفید باتوں سے دُور رہنے کے بارے میں اندیشہ ظاہر کیا اور کعب کے حوالے سے اپنی ساری اُمت کو وقت کی اور عمر عزیز کی قدر کرنے اور ہر لمحہ دینی اور دنیاوی مقاصد میں مشغول رہنے کی ہدایت فرمائی اور تعمیر پسندی کا ذہن بنایا۔

حضرت کعبؓ ایک محب رسول تھے' محب رسول کے بارے میں دین کے فرائض میں سستی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' البتہ حضور ﷺ نے اخلاقِ حسنہ کے بارے میں یہ سوال کیا اور ایک محب رسول کے حوالے سے یہ بتایا کہ جنت کی حق داری کے لئے صرف روزہ و نماز کا اہتمام کافی نہیں' بلکہ حسن اخلاق کا اہتمام بھی ضروری ہے۔

لایعنی باتوں سے پرہیز کرنا حسن اخلاق کی روح ہے' جو شخص فضول گوئی اور فضول عملی سے بچ گیا وہ اخلاقِ کریمانہ کی روشنی سے منور ہو گیا۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کچھ نہ کچھ وقت تفریح طبع اور اپنا جی خوش کرنے کے لئے نکالے۔ اسلام فطری تقاضوں کا اخلاقی حدود کے اندر رہتے ہوئے احترام کرتا ہے اور انسان کو اس کی آزادی دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے رفقاء کے ساتھ بے تکلفی اختیار کرنا اور خوش طبعی کرنا ثابت ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو سال بھر میں دو تہوار دیئے جن میں عبادت کے ساتھ طبعی مسرت اور خوش مزاجی کا موقع بھی فراہم کیا۔ ان تہواروں میں تعبد بھی ہے اور تجمل بھی ہے۔ حضور ﷺ نے ایک حدیث میں لایعنی باتوں سے پرہیز کی عادت کو دین داری

کا حسن قرار دیا ہے' فرمایا:

((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ)) (سنن الترمذی)

''فرمانبرداری اور اسلام کا کمالِ حسن یہ ہے کہ بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دیا جائے''۔

حضرت کعبؓ کی روایت میں بھی (جو اوپر گزری ہے) لایعنی کا لفظ ہے۔

دین کو کھیل کود بنانا

سورۃ الاعراف میں قرآن کریم نے ایک دوسرے پیرائے میں بے کار اور بے مقصد کاموں سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ جنت اور دوزخ والوں کے ایک باہمی مکالمہ کا حوالہ دے کر بتایا:

﴿وَنَادٰی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۞﴾ (الاعراف: ۵۰'۵۱)

''اہل جہنم اصحابِ جنت کو پکار کر اُن سے یہ درخواست کریں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی یا کچھ کھانے کا سامان دے دو' وہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں کے لئے ممنوع قرار دے دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین (یعنی جو دین ان کی ہدایت کے لئے آیا تھا) کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا' اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا' پس آج ہم نے ان کو فراموش کر دیا جس طرح انہوں نے دنیا میں ہمیں فراموش کر دیا تھا اور یہ لوگ ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے''۔

دین کو کھیل بنا رکھا تھا ــــ یہ ترجمہ عام مفسرین نے کیا اور اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ وہ لوگ دین کے اعمال و افعال کو چھوڑ کر کھیل تماشے اور بے مقصد تفریحات میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کا اسلوب بدل دیا اور یہ لکھا کہ:

''انہوں نے کھیل تماشے کو دین بنا رکھا تھا''۔

شاہ صاحب کے ترجمہ میں ایک لطیف اشارہ موجود ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ

اس گمراہی کی آخری اسٹیج کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دین کو کھیل تماشا بنانا یہ پہلی اسٹیج ہے' پھر جب کھیل تماشا اتنی اہمیت حاصل کر لیتا ہے کہ وہی دین و مذہب بن جاتا ہے تو یہ کفر کی منزل ہے۔ کفر کا اطلاق یہ بتا رہا ہے کہ قرآن کریم کی مراد یہی ہے کہ دین کے کاموں کی جگہ بے مقصد تفریحات پر صرف عمل ہی نہیں رہتا بلکہ دین جیسی اہمیت پیدا ہو جاتی ہے جو ایک عمل کفر ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شب بَراءت میں دین کا حصہ شب بیداری ہے' لوگوں نے اس میں آتش بازی کا کھیل شامل کر دیا—— ایک طبقہ شب بے داری بھی کرتا ہے اور آتش بازی کا کھیل بھی انجام دیتا ہے۔ مزید انہوں نے حلوہ خوری' قبرستانوں کی سجاوٹ اور ساری ساری رات بجلی کے قمقموں سے سجے ہوئے بازاروں میں چلنے پھرنے اور رسمی دعاؤں کے لئے قبرستانوں میں جانے آنے کی رسمیں شامل کر دیں۔ ان میں ایک طبقہ رسمی شب بیداری بھی کرتا ہے اور یہ کھیل کود کے کام بھی انجام دیتا ہے۔ یہ اس گمراہی کی ابتدائی شکل ہے۔ اسی گروہ میں ایک طبقہ وہ نظر آتا ہے جو دعا و استغفار اور شب بیداری کے دینی حصہ کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے اور کھیل کود کے کاموں ہی میں وقت گزاری کر کے اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ یہ کام ہی اصل مقصود ہیں۔ یہ آخری منزل ہے اس گمراہی کی۔ قرآن کریم نے اسی عمل پر کفر کا اطلاق کیا ہے۔

تعزیہ کے جلوس کو ایک طبقہ دین سمجھتا ہے۔ پھر اس میں کھیل تماشے کے کام شامل کر لئے جاتے ہیں۔ اس کی آخری صورت بمبئی کے ساحلی مقامات (کوکن) میں سامنے آتی ہے جہاں شب عاشورہ میں تعزیہ کے جلوس کے ساتھ شراب میں مست ہو کر نوجوان ساری ساری رات بھنگڑہ ناچ کرتے ہیں اور اس فعل کو حرام سمجھ کر اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔ گویا اس فعل حرام کو انہوں نے دین کا درجہ دے دیا ہے۔

ایک فعل ''بدعتِ حسنہ'' کے طور پر جاری ہوتا ہے' پھر اس میں بدعت سیئہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ شکل آخری سٹیج ہے۔ عقیدہ میں وہ کھیل تماشا چاہے کھیل تماشا ہی رہے لیکن عملی طور پر اس میں پابندی اور اصرار اس فعل کو دین و مذہب کے درجہ پر لے

آتا ہے۔

مہاراشٹر کوکن (بان کوٹ' رتنا گیری) کے علاقہ میں اس بدعت سیئہ کا تماشا دیکھو! یہاں گاؤں گاؤں دس دن تک محرم کے تعزیئے نکالے جاتے ہیں اور تعزیوں کے جلوس میں شراب پی کر مرثیہ خوانی اور دھمال مچائی جاتی ہے۔ اس ناچیز نے آٹھ دس سال اس علاقہ میں عشرۂ محرم پر تقریریں کیں اور لوگوں کو اس فعل حرام سے بچا کر عشرۂ محرم منانے کی تلقین میں وقت صرف کیا' لیکن چند صالح مزاج لوگوں کے علاوہ اس بے ہودگی سے لوگ باز نہ آئے۔ میری عمر تھک گئی اور میں نے وہاں جانا بند کر دیا' مگر وہ بدعت ابھی تک جاری ہے۔

بہرحال اس آیت میں کافروں کا تعارف کراتے ہوئے کھیل کو دین بنانے کے عمل کو اوّلیت دی ہے اور انکارِ آخرت کو آخر میں رکھا ہے۔ اس ترتیب سے شاہ صاحب کے ترجمہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ اس مقام پر مراد آخری اسٹیج والی معصیت ہے جس میں کھیل تماشے کو دین بنالیا جاتا ہے۔

مفسرین نے لہو ولعب کی جو تعریف کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لفظوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔

اللهو حرف الهم بما لا يحسن ان يصرف به واللعب طلب الفرح بما لا يحسن ان يطلب (حاشیہ جلالین' ص ۱۳۳)

یعنی ناپسندیدہ کاموں میں مشغول ہونا لہو ہے اور ناپسندیدہ کاموں سے جی بہلانا لعب ہے۔

شاہ صاحبؒ نے حسب ذیل آیت کا ترجمہ کیا خوب کیا ہے:

﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۞ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ﴾ (الانبیاء:۳)

''کوئی نصیحت نہیں پہنچتی ان کو اُن کے ربّ سے نئی' مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے' کھیل میں پڑے ہیں دل ان کے''۔

۞ ۞ ۞

دین و دنیا میں اعتدال وتوازن
تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

تحریر: فرحت عزیز

اہل مغرب دین و دنیا کے بارے میں عدم توازن اور بے اعتدالی کا شکار رہے ہیں۔ اس عدم توازن کا زیادہ چرچا آٹھویں صدی عیسوی میں ہوا اور موجودہ دور میں اس کا باضابطہ آغاز ہوا۔ اس کی بنیادی وجہ اہل مغرب کے نزدیک تمام غیر معینہ حقائق کا مقابلہ کرنے کے لیے بائبل کو ہی ابدی حقانیت کا ذریعہ سمجھ لینا ہے[1] جبکہ تعلیماتِ اسلام دراصل اس تحریک کا نام ہے جو خدائے واحد کی حاکمیت کے نظریئے پر انسانی زندگی کی عمارت تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ یہ تحریک قدیم زمانے سے ایک ہی بنیاد و طرز پر چلی آرہی ہے۔ اس کے رہنما وہ لوگ تھے جن کو انبیاء و رسل کہا جاتا ہے۔ اس تحریک پر عمل کرنے کے لیے انہی رہنماؤں کے طرزِ عمل کی پیروی کرنی ہوگی جن کا قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کے نقش قدم کا سراغ لگانے کے لیے قرآن میں بہت مختصر اشارات ملتے ہیں' جبکہ دیگر ذرائع سے معلومات حاصل کرنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً بائبل کے عہد نامۂ جدید میں سیدنا مسیح علیہ السلام کے متعلق بیشتر غیر مستند اقوال بھی ملتے ہیں۔ اس معاملے میں واضح اور مکمل رہنمائی محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے ملتی ہے' کیونکہ صرف آپ ﷺ ہی وہ تنہا رہنما ہیں جن کی زندگی کے بارے میں تمام تفصیلات مستند ہیں۔

دین اسلام نے دین فطرت ہوتے ہوئے آپ ﷺ اور آپؐ کے پیروکاروں کو میانہ روی کی تلقین کی ہے۔ قرآن میں مسلمانوں کو اُمتِ وسط کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دیا جو ہر لحاظ سے اعتدال پر ہے' تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) گواہ ہوں۔''

لفظ وَسَط بفتح السین بمعنی اوسط ہے۔ خیر الامور اور افضل اشیاء کو بھی وسط کہا جاتا ہے (اور اعتدال کا لفظ عدل سے مشتق ہے۔ اس کے معنی بھی برابر کرنے کے ہیں)۔(۲)

اعتدال و توازن سے مراد نہ کمی نہ زیادتی' بلکہ درمیانی وضع' میانہ روی' ہم وزنی' برابری اور تناسب ہے۔(۳)

اُمت وسط کا لفظ اپنے اندر اس قدر وسیع معنویت رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو' جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو' جس کا سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق' ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔(۴)

وسط اور اعتدال الفاظِ مترادفہ ہیں' لہٰذا اُمت وسط کی تفسیر قرآن کی اس آیت سے کی جاتی ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ..... ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

''تم لوگ ایسی اچھی جماعت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے' تم لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔''

اسلام سے پہلے دیگر مذاہب دین و دنیا کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار تھے' لہٰذا اُمت محمدیہ عدم توازن کو ختم کرنے اور صحیح راہ متعین کرنے والی قرار پائی۔ اس حساب سے مسلمان دنیا و آخرت میں گواہ ہوں گے۔ دنیا میں ان کی گواہی اسلام کی صداقت پر

ہے اور قیامت کے روز یہ اِس بات کی گواہی دیں گئے کہ اے اللہ! تیرے حبیب محمد ﷺ نے ہمیں صحیح تعلیمات پہنچا کر تبلیغ کا حق ادا کر دیا تھا۔

اعتدال خالق کائنات کے آئین قدرت کی شرط اوّل بھی ہے جس کے تحت عناصر کی ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے' پھر اِس توازن اور اعتدال کی خاطر اللہ نے ہر شے کا پختہ اندازہ مقرر فرما دیا۔(۵)

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان:۲)

''اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر سب کا الگ الگ اندازہ لگایا''۔

ایک اور ترجمہ ''ہر چیز کا ٹھیک پیمانہ'' بھی ہوسکتا ہے کہ ہر چیز کو ایک اندازۂ خاص پر رکھا یا ہر چیز کا ٹھیک پیمانہ مقرر کیا۔ بہر حال کوئی ترجمہ بھی کیا جائے' اس کا تفصیلی مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے صرف کائنات کو وجود ہی نہیں بخشا بلکہ اس نے ہر چیز کے لیے صورت' جسامت' سیرت واستعداد' اوصاف وخصائص' کام اور کام کا طریقہ' بقا کی مدت' عروج وارتقاء کی حد اور وہ تمام دوسری تفصیلات مقرر کیں جو اُس چیز کی ذات سے متعلق ہیں۔ اور پھر اُس نے عالم وجود میں وہ اسباب ووسائل اور مواقع پیدا کئے ہیں جن کی بدولت ہر چیز یہاں اپنے اپنے دائرے میں اپنے حصے کا کام کر رہی ہے۔(۶)

اگر یہ توازن نہ رہے تو نظمِ کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے' کیونکہ یہی نظامِ عالَم کی اساس ہے۔ قرآن نے اسی حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ﴾(الانعام:۱۱۵)

''اور آپ کے ربّ کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں۔''

لیکن جہاں عناصر میں یہ اعتدال طبعی اور جبری ہے وہاں اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے حضرتِ انسان کے لیے اسے اختیاری اور انتخابی شے بنا دیا گیا' تاکہ اگر وہ چاہے تو اسے اختیار کر کے فلاح دارین حاصل کر لے۔ اس انتخاب اور اختیار کی بنیاد پر

انسان کو معاشرے میں نظامِ عدل قائم کرنے اور ہر زاویۂ زندگی میں عدل و انصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی۔(۷)

قرآن مجید کی تعلیمات دین و دنیا کے بارے میں توازن اور اعتدال پر مبنی ہیں' جبکہ مادہ پرستوں کے نزدیک زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور موت کے معنی بالکل فنا اور معدوم ہوجانے کے ہیں جس کے بعد حیات شعور کا احساس' پھل اور نتائج کچھ بھی نہیں۔قرآن میں کافروں کے اس رویہ کو واضح کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (الجاثیۃ:۲۴)(۸)

''اور (منکر) یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دُنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں' (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں' اور ہم کو صرف زمانہ کی گردش سے موت آجاتی ہے۔''

ایک اور جگہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (الانعام:۳۲)

''اور دُنیوی زندگی بجز لہو ولعب کے کچھ نہیں' اور آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے۔کیا تم سوچتے نہیں؟''

اگر ہم خدائے واحد کی ذات پر مکمل ایمان رکھیں تو ہدایت پذیری کے لیے یہ احساس ہی کافی ہے کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور امتحان وہ لے رہا ہے جو ظاہر و باطن' خفی وجلی' غیب و شہادت کا جاننے والا ہے۔اگر یہ احساس حاصل ہو جائے تو انسان گناہوں میں ملوث نہیں ہوسکتا۔ارشادِ نبویؐ سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ' مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ اَوْ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا)) (۹)

''دنیا ملعون ہے' جو اس کے اندر ہے وہ بھی ملعون ہے' سوائے اللہ کی یاد کے اور

ان چیزوں کے جنہیں اللہ سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے اور سوائے عالم اور متعلم کے۔''

ایک اور جگہ ارشاد نبویؐ ہے:

((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ))(۱۰)

''دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے''۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کافروں اور فاجروں کی خوشحالی پر رشک نہ کرو!(۱۱)

مزید ارشادِ نبویؐ ہے کہ نفسانی خواہشات کی حرص سے بچو' کیونکہ یہ تنگدستی کی طرف لے جاتی ہے' اور اس میں مبتلا کرنے والے کاموں سے بچو!(۱۲)

اُن انسانوں کی محرومی اور قدر ناشناسی پر مقامِ افسوس ہے جن کو سمع و بصر اور دل و دماغ کی نہایت اعلیٰ صلاحیتوں سے آراستہ کر کے پیدا کیا گیا' مگر وہ ناقدرے اور ناشکرے ہونے کی وجہ سے اِن صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی خواہشات کے امام بن جاتے ہیں۔(۱۳)

انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال کی راہ انجامِ کار فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔تمام معاملاتِ زندگی میں جو شخص اعتدال کی راہ پر چلے گا اس کے چلتے رہنے کے بعد منزل آسان ہو جائے گی' مگر جو بے اعتدالی سے کام لے گا اور ضرورت سے زیادہ تیز دوڑے گا اس کے بارے میں خدشہ ہے کہ جلد تھک جائے گا اور پھر درمیانی چال بھی نہ چل سکنے کے باعث پیچھے رہ جائے گا۔حضور ﷺ نے میانہ روی کو پسند کرتے ہوئے فرمایا:

((خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا (وَفِیْ لَفْظٍ: اَوْسَاطُھَا))(۱۴)

''بہترین کام میانہ روی کے ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلْاَنَاۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ))(۱۵)

''وقار اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔''

انفرادی اور اجتماعی زندگی میں توازن واعتدال اپنانے کے لیے ضروری ہے کہ روزمرہ زندگی کے معاملات' مثلاً عبادات' معاشرت' معیشت اور سیاست میں میانہ روی کا الگ الگ جائزہ لیا جائے' جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا) عبادات میں توازن

دین اسلام میں عبادات کا جو ڈھانچہ فراہم کیا گیا ہے اس میں اوّلیت اور مرکزیت عقائد کو حاصل ہے' کیونکہ کسی شخص کی کامیابی کی دلیل وہ نقطہ ہوتا ہے جس کے گرد اُس کے اعمال کا دائرہ گھومتا ہے۔ قرآنی مفہومِ عبادات کی جامع و مانع تفسیر آنحضرت ﷺ نے اِن مختصر لیکن بلیغ الفاظ میں فرمادی ہے کہ: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ)) (۱۶) لہٰذا دین اسلام میں عقائد وہ مرکزی نقطہ ہیں جو عمل صالح کے دائرے کو مرتب کرتے ہیں اور اجزائے ایمانیات کے عنوان سے یہ ایسے عقائد ہیں جو افراط و تفریط کی روش سے پاک ہیں۔ اس میں اساسی حیثیت عقیدۂ توحید کو حاصل ہے۔ عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ نبی اور رسول کے تصور کو عقیدۂ رسالت کے حوالے سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آخرت کا عقیدہ ذہن نشین کرایا گیا اور انسان کے سامنے یہ مقصد متعین کیا گیا کہ وہ دنیا کی زندگی کو بااصول طریقے سے گزارے۔ اسے وہ ضابطۂ حیات عطا کیا گیا جس پر عمل کر کے وہ حیاتِ اُخروی میں اپنی جزا کا سامان اکٹھا کر سکتا ہے۔ زندگی کو ایک بوجھ نہ سمجھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رہبانیت دینِ اسلام کی خصوصیت نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ.....﴾ (الحدید:۲۷)

''اور ترکِ دنیا کا آغاز انہوں نے خود کیا' ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا''۔ (۱۷)

اس بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ)) (۱۸)

''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔''

ہر انسان کو یہ تسلی فراہم کی گئی ہے کہ وہ اتنا ہی مکلّف ہے جتنی اس کے نفس کی طاقت

ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِیْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا' وَاِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ مَا دَامَ وَاِنْ قَلَّ)) (۱۹)

''(نفلی) اعمال اسی قدر اختیار کرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہیں اُکتاتا یہاں تک کہ تم اُکتا جاتے ہو۔ پس اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہو''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن ایک مہینے میں پڑھو! انھوں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ بیس دن میں پڑھو! انہوں نے کہا کہ میں اس سے بھی زیادہ قوت رکھتا ہوں تو آپؐ نے دس دن میں پڑھنے کو کہا۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا: قرآن سات دن میں ختم کرو اور اس پر اضافہ نہ کرو! (۲۰)

ایک اور جگہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ آپ نے فرمایا: ''آدمی نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور عمرہ ادا کرنے والا ہوتا ہے..... (یہاں تک کہ آپؐ نے بھلائی کے تمام کام بیان فرمائے) اور قیامت کے دن ہر فرد کو اس کی صلاحیت (Capacity) کے مطابق جزا دی جائے گی۔'' (۲۱)

کچھ صحابہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ترکِ دنیا کے مختلف پہلو بیان کیے' مثلاً ساری عمر روزہ رکھنا' شادی نہ کرنا' دین و دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''بے شک میں تو نماز بھی ادا کرتا ہوں' روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں' اسی طرح دیگر امورِ زندگی بھی انجام دیتا ہوں۔ بس تم سب تمام کاموں میں دوام اختیار کرو' کیونکہ تھوڑا اور مستقل عمل اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔'' (۲۲)

حضرت سلمان فارسی ؓ ایک دوسرے صحابی حضرت ابوذر ؓ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ ان کی بیوی نہایت معمولی اور میلے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ حضرت سلمانؓ نے

وجہ دریافت کی تو بولیں کہ تمہارے بھائی کو دنیا کی خواہش نہیں ہے۔اس کے بعد مہمان کے لیے کھانا آیا تو حضرت ابو ذرؓ نے کہا: میں روزے سے ہوں۔حضرت سلمانؓ نے کہا: میں تو تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔آخر انہوں نے افطار کیا۔رات ہوئی تو حضرت ابو ذرؓ نماز کو کھڑے ہونے لگے۔حضرت سلمانؓ نے کہا کہ ابھی سو جاؤ۔پچھلی پہر کو حضرت سلمانؓ نے ان کو جگایا اور کہا کہ اب نماز پڑھو۔چنانچہ دونوں نے تہجد کی نماز ادا کی۔پھر حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا:

اِنَّ لِرَبِّکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِاَھْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا فَاَعْطِ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ.

''بے شک تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے'اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے'اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے'اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔بس ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔''

حضرت ابو ذرؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ تقریر نقل کی تو آپؐ نے فرمایا:''سلمان نے سچ کہا۔''(۲۳)

امام راغب نے''مفردات''میں حق کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر وہ قول یا عمل جو اس طرح واقع ہو جس طرح کہ اُس کا واقع ہونا ضروری ہے'اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت میں اس کا ہونا واجب ہے۔اس اعتبار سے کہا جائے گا کہ تمہاری بات یا تمہارا فعل حق ہے۔(۲۴)

قرآن میں انسان کو دنیا سے اپنا حصہ وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا.....﴾ (القصص:۷۷)

''اور دنیا سے اپنا حصہ مت فراموش کر!''

لیکن اس صلاحیت کے حوالے سے وہ انفرادی طور پر ذمہ دار بھی ہے اور کسی دوسرے کے اعمال کا اسے جواب دہ نہیں ہونا۔اللہ کو شاکر علیم قرار دیتے ہوئے انسانوں کی

تشفی کا یہ سامان فراہم کر دیا گیا کہ ذرہ برابر نیکی رائیگاں نہیں جائے گی اور ذرہ برابر برائی کی جواب دہی سے بھی بچا نہیں جا سکے گا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۞ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۞ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۞ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۞﴾ (القارعة:٦۔٩)

''تو جس کے وزن (اعمال) بھاری نکلیں گے وہ دل پسند زندگی میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوں گے اس کا مرجع ہاویہ ہے۔''

دنیا کو عارضی ٹھکانہ قرار دیا گیا اور آخرت کو اس کے خلود اور دوام کے حوالے سے متعارف کرایا گیا۔ ان اجزائے ایمانیات کے ساتھ ساتھ انسان کی نجات کو عمل صالح کے ساتھ مربوط کیا گیا۔ عمل صالح کے لیے ایمان کو لازم ٹھہرایا گیا اور ان دونوں کا ارتباط انفرادی فوز و فلاح کے لیے لازم سمجھا گیا۔ تاریخ بنی نوع انسان اس امر کی شاہد ہے کہ صرف وہی لوگ کامیاب ہوئے کہ جنہیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ حقائق کا یقین تھا اور انہوں نے اس یقین کے مطابق عمل بھی کیا۔ بصورتِ دیگر انسان خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرتا رہا اور اسے خسرانِ مبین سے کوئی نہ بچا سکا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی حیثیت سے انسانی زندگی کے مقصود و منتہا کو اپنی عبادت قرار دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۞﴾ (الذّٰريٰت:٥٦)

''اور ہم نے جن و اِنس کو محض اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

مزید ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞﴾ (الانعام:١٦٢)

''آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز' میری ساری عبادت' میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔''(٢٥)

۲) معاشرت میں توازن

عبادات کے ساتھ ساتھ اسلام نے اجتماعی معاشرتی زندگی کے لیے ایک بہترین نظام عطا کیا ہے اور تمام انسانوں کو انسان ہونے کے اعتبار سے مساوی مقام پر رکھا گیا ہے۔[۲۶] سب کو آدم کی نسل سے قرار دیا گیا اور دنیاوی پیمانوں پر تخصیص کا رویہ پیدا کرنے سے منع کیا گیا۔ جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ: ''اے بنی نوع انسان! بے شک تمہارا ربّ ایک ہے' اور بے شک تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر' اور نہ سرخ کو سیاہ پر اور نہ سیاہ کو سرخ پر' مگر پرہیز گاری کی بناء پر''۔[۲۷]

اگر کوئی امتیاز پیدا کرنے کی اجازت ملی تو وہ صرف تقویٰ کے رویہ کی بناء پر تھی۔ دیگر امتیازات جو رنگ' نسل' قومیت' زبان یا جغرافیائی عصبیتوں پر مبنی تھے' انہیں رد کر دیا گیا۔ اسلام کا یہ اعزاز ہے کہ اس نے اصولی اور فکری بنیادوں پر مبنی معاشرت کا احساس دلایا۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگوں کو اسلامی معاشرت کا رکن سمجھا گیا۔ اور اخوت کے عنوان سے ان کے اس رشتہ کو بھی بیان کیا جو اُمت مسلمہ کو آپس میں ملائے رکھتا ہے' جو اُن کے درمیان تعاون اور ہمدردی اور ایثار کی خصوصیات پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ زریں ارشاد بھی موجود ہے:

((تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى))[۲۸]

''تو مؤمنین کو آپس میں رحم کرنے' محبت کرنے اور ہمدردی کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا' جس کے ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو تمام جسم شب بیداری کرتا ہے اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''[۲۹]

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهٗ وَعِرْضُهٗ وَدَمُهٗ' حَسْبُ امْرِئٍ

مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ))[۳۰]

''ایک مسلمان کا مال' عزت اور جان دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ ایک آدمی کے شر کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''

ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

''تم باہمی حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کے ساتھ بغض رکھو' کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف مخالفانہ تدبیر نہ کرے' سب اللہ کے بندے بن کر رہیں اور بھائی بھائی ہو جائیں۔''[۳۱]

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

((المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده))[۳۲]

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

آپ ﷺ نے مسلمان بھائی کو گالی دینے کو فسق کہا اور قتل کرنے کو کفر۔[۳۳]

معاشرتی تعلیمات میں توازن کے لیے خاندان کے ادارے کو بنیادی اہمیت دی گئی' جس میں قوامیتِ رجال کے تصور کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ بیویوں سے حسن سلوک کی بھی تلقین کی گئی۔ ماں باپ' بہن بھائی' اولاد اور دیگر رشتوں کی نوعیت کی وضاحت کر دی گئی۔ محرمات کا قانون بتایا گیا' قطع رحمی سے اجتناب پر زور دیا گیا' ہمسایوں سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی تلقین کی اور ان کو ہمدردی' اچھی رفاقت اور حسن سلوک کا حق دار ٹھہرایا۔ اسلامی معاشرے میں انسانوں کے اعمال مجموعی طور پر جس قاعدہ کلیہ پر قائم ہونے چاہئیں رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ارشاد فرمایا:

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ))[۳۴]

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے:

((اِنَّ الْهَدْیَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ))[۳۵]

''بے شک نیک سیرت' نیک طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزاء کا پچیسواں حصہ ہیں۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تم تواضع اور فروتنی اختیار کرو حتیٰ کہ ایک دوسرے پر فخر نہ کرو۔ اور کوئی ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرے''۔(۳۶)

الغرض اسلامی معاشرے میں اخوت کے جذبہ کو اوّلین اہمیت دیتے ہوئے فساد اور بگاڑ کو ناپید کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ)) (۳۷)

''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔''

اسلام کی دیگر معاشرتی تعلیمات میں بھی توازن کو مدنظر رکھنا چاہئے' مثلاً بولتے وقت ہماری آوازوں میں بھی اعتدال ہونا چاہئے۔ اس بارے میں قرآن سے رہنمائی ملتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ ؕ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۞﴾(لقمان:۱۹)

اس آیت میں آواز میں میانہ روی کے ساتھ ساتھ انسانی چال کے بارے میں نصیحت کر دی گئی۔ یعنی نہ اتنی تیز چال ہو کہ متانت اور وقار باقی نہ رہے اور نہ ہی اتنی دھیرے کہ چال ریاکارانہ زاہدوں کی نمائشی چال بن جائے۔

آواز کے ساتھ ساتھ گفتگو میں توازن کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ نہ اتنی طویل گفتگو کی جائے کہ لوگ اکتا جائیں اور نہ ہی اتنی مختصر کہ جس میں ابہام پایا جائے۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ جذبات کے اظہار میں نہ خوشی کے پہلو کو زیادہ نمایاں کیا جائے اور نہ غم کا' حد سے بڑھ کر اظہار کیا جائے' بلکہ الفاظ نہایت معقول ہوں۔ جو بات بھی کی جائے وہ دوسروں کی دل پسندی کے لیے ہو' دل آزاری کرنا مقصود نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ)) (۳۸)

''جو کوئی اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اچھی بات کہے۔ یا خاموش رہے''۔

یہ بھی فرمایا:

((مَنْ صَمَتَ نَجَا))(۳۹)

''جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔''

ارشادِ نبویؐ ہے کہ: ''جس نے مجھے جبڑوں کے درمیان (یعنی زبان) کی ضمانت دے دی تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''(۴۰)

آپ ﷺ نے کھانے پینے میں بھی توازن اور اعتدال کی تلقین کی اور زیادہ سے زیادہ افراد کے موجود ہونے کو باعث برکت کہا گیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ہنسنے میں بھی میانہ روی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ:

((لَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ))(۴۱)

''زیادہ ہنسا نہ کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔''

الغرض آپؐ نے معاشرت میں توازن کر برقرار رکھنے کے لیے رہبانیت اور قارونیت دونوں پر ضرب کاری لگائی ہے۔

اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ ان تمام انسانی تنظیمات سے فائدہ اٹھایا جائے جو انسانی زندگی کے لئے اُخروی فوز وفلاح کا صحیح معیار قائم کر سکیں اور دنیوی زندگی رائیگاں اور ضائع ہونے سے بچ سکے۔ اسلامی تعلیمات کا یہ وہ نقطہ کمال ہے جو ہمیں دنیا کے کسی دوسرے مذہبی نظام میں نہیں ملتا۔

۳) معیشت میں توازن

اسلام نے معیشت میں توازن کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس سے مراد معاشی مساوات یا معیشت میں برابری نہیں ہے' بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہو اور سعی وترقی کے مواقع سب کے لیے یکساں ہوں اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنی دولت کو استعمال کر کے اپنی معیشت میں ترقی کر سکے۔ اسلام مساوی نہیں بلکہ منصفانہ تقسیم دولت کا قائل ہے۔ محنت' طاقت' صحت' یہ سب چیزیں انسانوں کو یکساں نہیں ملتیں۔ اس لیے دولت کا کسی کے پاس کم یا زیادہ ہونا منطقی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام درجاتِ معیشت میں تفاوت کا قائل ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے۔لیکن اُس غیر فطری تفاوت کو جو معاشی نظریات کا ثمرہ ہے اور جس نے انسانوں کو بربادی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے' اسلام کے اس اصول سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام ہر ایسے نظام کو رد کرتا ہے جس سے امیر امیر تر ہوتا جائے اور غریب غریب تر۔ اس بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ ' وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ))(۴۲)

''اغنیاء سے لیا جائے اور فقراء کو دیا جائے' اور مظلوم کی پکار سے ڈرو' کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ (رکاوٹ) حائل نہیں ہے۔''

اسلام نے ہر شخص کو اپنے خرچ میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور افراط وتفریط سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (بنی اسراء یل:۲۹)

''اور نہ تو تُو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ لے اور نہ ہی بالکل کھول دے' ورنہ الزام خوردہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہے گا۔''

مزید ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان:٦٧)

''اور (اللہ کے نیک بندے) جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی اختیار کرتے ہیں اور ان کا خرچ افراط وتفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔''

ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ))(۴۳)

''جس نے معیشت میں میانہ روی اختیار کی وہ تنگدست نہ ہوگا۔''

اسلام نے دولت کو خرچ کرنے کے اصول بھی مہیا کیے ہیں۔ایک مسلمان خرچ کرنے میں اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنی حلال کمائی کو خرچ بھی حلال اور جائز کاموں پر کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد ایسی آیات ملتی ہیں جن میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴾ (الاعراف:۳۱)

''اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

مزید ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ﴾

(بنی اسراء یل:۲۶'۲۷)

''اور مال کو بے موقع مت اڑانا' کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

اجتماعی طور پر بھی اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جن اقوام نے اپنے وسائل بغیر سوچے سمجھے خرچ کر ڈالے انجام کار وہ معاشی طور پر پس ماندگی کا شکار ہوئیں۔

اسلام میں معاشی تعلیمات کے حوالے سے برابری اور مساوات کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور انسان کو حلال و حرام میں تمیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ ضروریات کے ضمن میں پوری اُمت کو ایک سمت میں لا کھڑا کیا جائے' کیونکہ رزق میں مساوات پیدا نہیں کی گئی' بلکہ یہ اللہ کا دستور ہے کہ وہ جس کے لیے چاہے تنگی و فراخی پیدا کرتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان کو محنت کی تلقین بھی کی گئی ہے' کیونکہ بغیر اکتساب کے رزق ممکن نہیں۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴾(النجم:۳۹)

''اور بے شک انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔''

تنگی وخوشحالی کے بارے میں ارشادِ نبویؐ نقل کیا گیا ہے کہ

((مَا اَحْسَنَ الْقَصْدَ فِی الْغِنٰی مَا اَحْسَنَ الْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ))(۴۴)

''دولت مندی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے محتاجی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے۔''

اس کے ساتھ ساتھ وسائل معاش کی بربادی سے بھی منع کیا گیا ہے۔اس ضمن میں وہ ضابطۂ اَخلاق مرتب کیا گیا جسے عین جنگ کی حالت میں بھی ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی۔اللہ کی زمین پر فتنہ وفساد کی ترغیب دینے کی منافقانہ چالوں کو ناپسند فرمایا گیا۔

۴) قانون وسیاست میں توازن

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔یہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو کے لیے ہدایت دیتا ہے۔سیاسی اور قانونی پہلو سے مراد وہ تعلیمات ہیں جو معاشرت کو منظم کرنے کا باعث بنتی ہیں۔اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی کہ تمام کائنات میں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے۔انسان اس دنیا میں اللہ کا نائب اور خلیفہ متصور ہوگا' کیونکہ حاکمیت الٰہیہ کے تقاضے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایسے ہیں جو صرف اللہ کی ذات کو روا ہیں۔قانونِ الٰہیہ کی حکمت کا تصور بھی اجاگر کیا گیا ہے۔اور یہ کہ تمام اُمت مسلمہ' بلکہ تمام بنی نوعِ انسان مل کر بھی یہ نہیں کر سکتے کہ وہ اس قانون میں بنیادی اعتبار سے تبدیلی کر سکیں۔اسلامی ریاست میں اولوالامر کی اطاعت مسلمانوں پر لازم کر دی گئی۔جیسا کہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (آیت:۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' اور ان لوگوں کی بھی جن کو تم میں سے اختیار دیا گیا ہے۔''

امیر کی اطاعت کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ))(۴۵)

''جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے گویا میری اطاعت کی۔''

دنیا میں ریاست کی حدود کے اندر اُمت مسلمہ کو اپنے تمام امور اور مسائل باہمی

مشاورت سے طے کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

''اور معاملات میں ان سے مشورہ کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ: ۳۸)

''اور اُن کے امور آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔''(۴۶)

تمام افرادِ ملت کو قانونی اعتبار سے عدل اور مساوات کے ضابطہ کا پابند کیا گیا اور اس کی وجہ سے کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کو پسند نہیں کیا گیا۔ قانون کی نگاہ میں سب کو برابر درجہ دین کی تلقین کی گئی۔ دین اسلام کے سیاسی و قانونی نظام کا اختصاص یہ بھی ہے کہ اس میں اخلاقیات کا ایک امتزاج قائم کیا گیا تا کہ سختی اور درشتی کا پہلو پیدا نہ ہو۔ چنانچہ رذائل اَخلاق اور فضائل اَخلاق کے حوالے سے جو ضابطے اخلاقیات کی رہنمائی کرتے ہیں وہ قانونی امور کو زیادہ خوبصورت شکل عطا کرتے ہیں۔ بندگی و غلامی اور اس کے مدمقابل آقا و مالک ہونے کے تمام تفرقات کو مٹا کر احترامِ آدمیت کا درس دیا گیا۔ دنیا میں رائج مختلف پیمانوں کی بجائے اہلیت' استعداد اور قابلیت و صلاحیت کی فرماں روائی کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ آخری نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی گئی ان تعلیمات کے عملی نفاذ کے ذریعے آپؐ نے ایک انقلاب پیدا کیا۔(۴۷)

تاریخ کے صفحات میں وہ مثالیں آج بھی محفوظ ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیمات میں ولولہ انگیز نتائج پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر ان نتائج کی ضمانت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ محض شاعرانہ نقل بن جائے۔ اور وہ نتائج جو عہد رسالت میں منظر عام پر آئے' اگر وہ اب پیدا نہ ہوں تو قرآن حُجَّةٌ مِنْ بَعْدِ الرُّسُوْل نہ رہے۔ قرآن میں وہ انقلابی صفات آج بھی موجود ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اُمت مسلمہ انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے مادیت پرستی کے اثرات کو دُور کر کے اپنے اندر دینی جذبہ پیدا

کرے۔اور اس قسم کی تبدیلی صرف قانون ساز اداروں سے پیدا نہیں ہو سکتی' بلکہ سیرت ساز ذہنیت ہی یہ ولولہ انگیز اثرات مرتب کر سکتی ہے جو مسلمانوں کی غیرت اور جذبۂ دینی کو اس طرح جھنجوڑ دے کہ اس میں موجود تمام خامیوں کی اصلاح ہو سکے۔

مصادر و مراجع

۱) سلیم اختر' بنیاد پرستی' ص ۷۹۔۸۱' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور' ت۔ن۔
محمد الیاس' بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش' ص ۱۵' حرا پبلی کیشنز لاہور۔

۲) الزبیدی' ابوفیض السید محمد مرتضی الحسینی الواسطی: تاج العروس من جواهر القاموس' ج ۱۵' ص ۴۷۱' المکتبه التجاریة مصطفی احمد الباز۔ ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴م۔ ابن منظور' جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی : لسان العرب' ج ۹' ص ۸۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' الطبع الثانیة ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ م۔ مفتی محمد شفیع' معارف القرآن' ج ۱' ص ۳۶۵۔۳۶۶' ادارہ المعارف کراچی۔ ۱۹۸۹ء۔ابن کثیر' عماد الدین ابو الفداء:تفسیر ابن کثیر' ج ۱' ص ۲۴۴' مکتبہ قدوسیہ لاہور' طبع اول' اگست ۱۹۹۴ء۔

۳) تابش' ذوالفقار احمد : اعجاز اللغات مادہ : عدل' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور' ۱۹۸۲ء۔ وارث سرهندی : علمی اردو لغت' مادہ : عدل' علمی کتب خانہ لاہور' ت۔ن۔

۴) سید مودودی : تفهیم القرآن' ج ۱' ص ۱۱۹' مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور' ت۔ن

۵) امیر علی' سید : مواهب الرحمٰن' ج ۲' ص ۳' مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور' ت۔ الازهری' محمد کرم شاه: ضیاء القرآن' ج ۱' ص ۱۰۱' ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور' ۱۳۹۹ء۔

۶) سید مودودی : تفهیم القرآن' ج ۳' ص ۴۳۴۔

۷) عبدالجبار' محمد: سیرت مجمع کمالات ﷺ' ص ۲۶۷' ادارہ تعلیمات سیرت' علامہ اقبال کالونی' اشاعت اوّل ۱۹۸۸ء

۸) خورشید احمد : اسلامی نظریۂ حیات' ص ۲۹۱' کراچی' ۲۰۰۱ء۔

۹) سنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب مثل الدنیا ۔ وسنن الترمذی' کتاب الزهد' باب منه۔

۱۰) صحیح مسلم' کتاب الزهد والرقائق ۔ وسنن الترمذی' کتاب الزهد' باب ما جاء ان الدنیا سجن المومن وجنة الکافر۔

۱۱) البغوی' ابی محمد الحسین بن مسعود : مصابیح السنة' ج ۲' ص ۳۱۱' عباس احمد الباز مکة المکرمة الطبعة الاولی' ۱۴۱۹/ ۱۹۹۸م

۱۲) الهیثمی' نور الدین' علی بن ابی بکر : مجمع الزوائد و منهج الفوائد' ج ۱۰' ص ۲۶۰' دار الفکر بیروت ۱۴۱۴/ ۱۹۹۴ء

۱۳) اصلاحی۔امین احسن : تدبر قرآن' پارہ ۲۹' ص ۵۰۰' مکتبہ جدید پریس لاہور' ۱۹۸۹ء ۔سید قطب شہید : فی ظلال القرآن'پارہ ۲۹' ص ۴۷۹' محمد رضا پرنٹر زلاہور' ۱۹۹۶ء ۔ والحقانی 'عبدالحق الدھلوی 'تفسیر حقانی' ج ۷' ص ۱۷۷' الفیصل ناشران وتاجران لاہور۔ت۔ن

۱۴) العجلوانی 'الجراحی'اسماعیل بن محمد :کشف الخفاء و مزیل الالباس' ج ۱' ص ۳۹۱ 'مکتبہ الغزالی دمشق۔ت۔ن

۱۵) سنن الترمذی' کتاب البر والصلۃ' باب ما جاء فی التانی والعجلۃ ۔

۱۶) البخاری محمد بن اسماعیل الجعفی : الجامع الصحیح'کتاب بدء الوحی' باب بدء الوحی' ج ۱' ص ۳' دار ابن کثیر' بیروت ' الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۱۰م/ ۱۹۹۰م

۱۷) اصلاحی 'صدرالدین ۲۷ : اسلام ایک نظر میں 'ص ۱۷۶

۱۸) العجلوانی: کشف الخفاء' ج ۲' ص ۳۷۷

۱۹) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب الجلوس علی الحمیر ونحوہ۔ وصحیح مسلم' کتاب الصیام' باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان .....

۲۰) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فی کم یقرء القرآن ۔ و صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب النھی عن صوم الدھر .....

۲۱) البیھقی ' ابی بکر احمد بن الحسین: شعب الایمان' ج ۴' ص ۱۵۴' دارالکتب العلمیۃ بیروت 'الطبعۃ الاولی ۱۴۱۰ھ /۱۹۹۰ء۔والمنذری ' زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی : الترغیب والترھیب' ج ۳' ص ۱۸۹' داراحیاء التراث العربی بیروت'الطبعۃ الاولی ۱۳۸۸ھ /۱۹۶۸م۔الطحاوی 'ابی جعفر'محمد بن سلامۃ الازدی مشکل الاثار ' ج ۲' ص ۱۲۵' مجلس دارالنظام الھند۔ب۔ت

۲۲) الھیثمی : مجمع الزوائد ج ۲' ص ۲۳۳'۵۳۳

۲۳) صحیح البخاری' کتاب الصوم' باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع ..... وسنن الترمذی ' کتاب الزھد' باب منہ

۲۴) الاصفھانی'راغب : مفردات القرآن 'ص ۲۵۰ تا ۲۵۲ ط۔ن لاہور۔۱۹۸۷ء۔

۲۵) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے : اصغر علی روحی'ما فی الاسلام ج ۲' ص ۱۔ ضلع گوجرانوالہ' ت ۔ ن

26)*Khalifa Abdul Hakim: Islamic Ideology, P.85 Institue of Islamic Culture Lahore .1998*

۲۷) مسند احمد

Abdul Qayyum:Islam in Perspective, p.24 Tehsil & District Chakwal 1986

۲۸) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المومنین وتعاطفهم وتعاضدهم

29) *Ammer Ali 'Syed :Spirit of Islam, p.41Sange Meel Publication Lahore.N.D.*

۳۰) صحیح البخاری، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم ظلم المسلم ...... وسنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة۔ **الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔**

۳۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم التحاسد والتباغض والتدابر۔ اسی مفہوم پر مشتمل احادیث صحیح بخاری میں بھی متعدد جگہ موجود ہیں۔

۳۲) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الاسلام وای اموره افضل۔

۳۳) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب خوف المومن من ان یحبط عمله وهو لا یشعر۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله کفر۔

۳٤) سنن ابن ماجه، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقه ما یضر بجاره

۳٥) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الوقار۔

۳٦) الطبرانی، ابی القاسم سلیمان بن احمد : المعجم الاوسط، حدیث ٤٨٤٩، مکتبه المعارف الریاض، الطبعة الاولی ١٤١٦ھ/١٩٩٥ء

۳۷) سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب فی لزوم الجماعة۔

۳۸) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من کان یومن بالله والیوم الاخر فلا یوذ جاره۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار ......

۳۹) سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق

٤۰) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان

٤۱) سنن الترمذی، کتاب الزهد

٤۲) صحیح البخاری، کتاب الزکاة

٤۳) مسند احمد

٤٤) الهندی، علاؤ الدین متقی بن حسام الدین البرهان، کنزالاعمال فی سنن الاقوال والافعال، ج۳، ص ۲۸، مؤسسة الرسالة بیروت، ١٣٩٩ھ/١٩٧٩م

٤٥) صحیح البخاری، کتاب الاحکام۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارة

٤٦) سندیلوی، محمد اسحق : اسلام کا سیاسی نظام، ص٤ اردو اکیڈمی کراچی ١٩٩١ء

٤۷) ندوی، سید سلیمان، خطبات مدراس، ص ١٠٤، منصور پریس لاهور۔ت۔ن۔ عبدالحمید، آخری نبی ﷺ اور ان کی تعلیمات، فضلی سنز لمیٹڈ کراچی، ١٩٩٨ء

اکلِ حلال کی اہمیّت

تحریر: پروفیسر (ر) محمد یونس جنجوعہ

کسب حلال کے معنی ہیں جائز پیشہ کے ذریعے جائز کمائی کرنا' یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے عین مطابق روزی کمانا کسب حلال ہے۔ اس کے برعکس کسی ناجائز ذریعے سے جو رزق کمایا جائے جس میں انسان کی محنت و مشقت نہ ہو وہ حرام یعنی ناجائز ہے۔

قرآن وحدیث میں کسب حلال کی اہمیّت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (المؤمنون:۵۱)

''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو''۔

اسی طرح تمام انسانوں کو تلقین فرمائی گئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (البقرۃ:۱۶۸)

''اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال اور پاکیزہ''۔

مزید برآں مسلمانوں کو خصوصی تاکید کی گئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۷۲)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ''۔

اسلامی تعلیمات میں حلال روزی کا حصول بنیادی نوعیت کی اہمیت رکھتا ہے' کیونکہ حلال روزی کھا کر جو گوشت و پوست بنے گا اس میں قبولِ حق کی صلاحیت زیادہ ہوگی۔ ایسا جسم اخلاقی خوبیاں اختیار کرنے میں سہولت محسوس کرے گا۔ گویا حلال اور مطہّر روزی کھانے والوں کے قلوب و اذہان منوّر ہو کر نیک اعمال کے لئے اعضاء و

جوارح کو مستعد بناتے ہیں۔ اس کے برعکس حرام ذرائع سے کمائی ہوئی روزی کھانے سے غیر صالح خون پیدا ہوتا ہے جو آکل کو آسانی کے ساتھ رذائل اخلاق کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر قبولِ حق اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی صلاحیت بھی باقی نہیں رہتی۔ اس کے فکر ونظر میں کجی پیدا ہو جاتی ہے اور دل نیکی پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے حلال خور انتہائی سعادت منداور حرام خور آخری درجے کا بدنصیب ہے تو یہ عین صواب ہے۔

انسان کو دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تعلیماتِ الٰہیہ نے وحی کے ذریعے واضح کر دیا کہ حق اور جائز کیا ہے اور اس کے مقابل باطل اور ناجائز کیا ہے۔ جو چیزیں محرمات اور ممنوعات میں شامل ہیں ضرور ان میں برائی اور فساد ہے' جبکہ حلال اور مباح چیزوں میں خیر اور بھلائی پائی جاتی ہے' کیونکہ حکیم کا کوئی کام حکمت اور دانائی سے خالی نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ تو الحکیم ہے۔

جس ٹوکری میں گلے سڑے پھل رکھے ہوں ان کی سڑاند سے انسانی طبیعت پر شدید ناگواری کا احساس ہوتا ہے جبکہ تازہ اور صاف ستھرے پھلوں کے ٹوکرے سے روح کو تازگی بخشنے والی خوشبو آئے گی۔ اسی طرح حرام روزی کھانے والے سیاہ باطن' شقی القلب' جرائم پیشہ اور موذی بن جاتے ہیں جبکہ حلال روزی کھانے سے روشن ضمیری' طہارتِ قلبی اور فکر ونظر کی صفائی حاصل ہوتی ہے۔

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حصولِ رزق کے معاملے میں کبھی غفلت اور لاپرواہی سے کام نہ لے کیونکہ یہ غفلت انتہائی خطرناک ہے۔ بظاہر حرام روزی کی بے برکتی نظر نہیں آتی لیکن حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے اس کی منفی تاثیر نیکیوں اور عبادات کو بے مقصد بنا کر رکھ دیتی ہے۔ نماز کی اہمیت سے کون واقف نہیں مگر حرام روزی نماز کی تاثیر کو بھی سلب کر لیتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ

تَعَالٰی لَهٗ صَلَاةً مَا دَامَ عَلَيْهِ))[1]

''جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور ان میں ایک درہم بھی حرام کا تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوگی جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا''۔

اسی طرح روزہ اسلام کا رکن ہے' روزہ رکھنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے' مگر یہاں بھی رزقِ حلال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ رسولِ پاک ﷺ فرماتے ہیں:

((كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ))[2]

''بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ انہیں اپنے روزے سے بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے (راتوں کو) قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ انہیں جاگنے کے علاوہ کچھ نہیں ملتا''۔

بھوکا اور پیاسا رہنا نیز راتوں کو جاگنا کوئی نیک کام نہیں۔ نیکی تو روزہ رکھنے اور رات کو عبادت کرنے کا نام ہے۔ اگر روزہ دار روزہ کے آداب اور قیام کرنے والا قیام کے آداب کا خیال رکھے' جس کا سب سے بڑا مظہر رزق حلال ہے' تو اس کا روزہ اور قیام اس کے لئے موجبِ ثواب اور باعثِ سعادت و رحمت ہوگا' ورنہ لاحاصل۔

حج اور زکوٰۃ کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔ اگر کوئی شخص حرام مال سے پروردہ جسم لے کر اور حرام مال خرچ کر کے سفرِ حج پر نکلے تو سفر کی صعوبت کے سوا اسے کچھ حاصل نہ ہوگا' اگرچہ وہ زندگی بھر فریضہ حج ادا کرنے پر اور حاجی کہلوانے پر خوش ہوتا رہا ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ))[3]

''وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جا سکے گا جس کی نشوونما حرام مال سے ہوئی ہو اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے''۔

ایک انتہائی جامع مثال کے ذریعے رسول پاک ﷺ نے حرام روزی کی قباحت اور شناعت واضح کی۔ آپؐ نے فرمایا:

((اَلرَّجُلُ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَی السَّمَاءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ ' فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ)) (٤)

''ایک شخص طویل سفر کرتا ہے۔ پراگندہ بال اور غبار آلودہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا اور کہتا ہے: اے پروردگار! اے پروردگار (یعنی دعا مانگتا ہے) حالانکہ اس کا کھانا حرام' اس کا پینا حرام' اس کا لباس حرام اور حرام ہی میں اس کی پرورش ہوئی ہے' پھر اس شخص کی دعا کیونکر قبول کی جائے''۔

شاید آج کا دور ہی یہ دور ہے جس کے بارے میں رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

((یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ)) (٥)

''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پروانہ ہوگی کہ وہ جو لے رہا ہے حلال ہے یا حرام''۔

اگر انسان نفس کے لالچ اور شیطان کے دھوکے میں نہ آئے تو وہ صرف حلال روزی پر اکتفا کر سکتا ہے ورنہ نفس کا لالچ اور شیطان کا فریب تو ہر برائی کو مزین کر کے دکھاتے ہیں۔ مگر سمجھ لینا چاہئے کہ یہی طمع اور دغا انسان کو لے ڈوبے گا۔ رشوت' ملاوٹ' بددیانتی' چوری اور فرائض منصبی بمطابق معاہدہ ادا کئے بغیر وصول کی ہوئی تنخواہ سراسر مال حرام ہے جس میں کچھ شبہ نہیں۔ مال حرام کی نحوست سے بچنے کی تاکید مزید کے طور پر رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ' فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَاَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ ' وَمَنْ وَقَعَ فِی

الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ .....(۶)

''حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے' ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کی حقیقت سے بہت سے لوگ واقف نہیں ہیں ۔پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچا اس نے اپنا دین بچالیا اور اپنی آبرو کو محفوظ رکھا' اور جو شخص شبہ کی چیزوں میں مبتلا ہوا وہ حرام میں مبتلا ہوا.....''

حضرت مقدامؓ بن معدی کرب نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْهِ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْهِ)) (۷)

''کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے کیونکہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے''۔

مسلمان والدین کے لئے یہ فرائض اولین میں شامل ہے کہ وہ پاکیزہ اور حلال روزی کمائیں' خود بھی کھائیں اور اپنے معصوم بچوں کو بھی کھلائیں ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں:

((اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلْتُمْ مِنْ کَسْبِکُمْ وَاِنَّ اَوْلَادَکُمْ مِنْ کَسْبِکُمْ)) (۸)

''پاکیزہ ترین چیز وہ ہے جو تم اپنی کمائی میں سے کھاتے ہو' اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی سے ہے''۔

علاوہ ازیں خاندان کے دوسرے بالغ افراد بشمول بیوی بیٹے' بیٹیوں پر بھی لازم ہے کہ اگر وہ سربراہ خاندان کو حرام ذرائع سے روزی کماتا پائیں تو نہ صرف اپنی فرمائشیں کوتاہ کریں بلکہ اسے حرام روزی کمانے سے روکیں اور قلیل مقدار کی بابرکت حلال روزی میں گزارہ کرنے کا اہتمام کریں' ورنہ سربراہِ خانہ کے ساتھ وہ بھی خدا کی گرفت سے نہ بچ سکیں گے ۔العیاذ باللّٰہ..... فاعتبروا یااولی الابصار۔

حواشی

۱) مسند احمد' کتاب المکثرین عن الصحابۃ' باب باقی المسند السابق۔ (باقی صفحہ 78 پر)

مسلمان کا طرزِ حیات (۳۴)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنهاجُ المسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الاخلاق

پانچواں باب

عدل واعتدال

ایک مسلمان کی نظر میں عدل وانصاف ـــــ اپنے وسیع مفہوم میں ـــــ سب سے بڑا اور لازمی فریضہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَائِ ذِي الْقُرْبٰى.....﴾ (النحل:۹۰)

''اللہ تعالیٰ عدل' احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے۔''

اس کا قیام اس لئے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ اہل عدل سے محبت کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الحُجرات:۹)

''اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے یقیناً محبت رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنی گفتگو میں بھی انصاف کو مدنظر رکھا جائے اور کسی معاملے کا فیصلہ کرنے میں بھی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (الانعام:۱۵۲)

''جب تم بات کرو تو انصاف کرو اگرچہ (متاثرہ شخص تمہارا) رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء:۵۸)

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

ان احکامِ خداوندی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ایک مسلمان اپنی ہر بات اور ہر فیصلہ میں انصاف سے کام لیتا ہے اور اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی معاملہ میں وہ انصاف کی راہ سے ہٹ نہ جائے' حتیٰ کہ عدل اس کی جبلت میں داخل ہو جاتا ہے' پھر اس کا ہر قول و فعل ظلم و زیادتی سے پاک ہو جاتا ہے۔ وہ ایسا انصاف پسند بن جاتا ہے کہ نہ خواہشاتِ نفس اسے راہِ راست سے ہٹا سکتی ہیں نہ دنیا طلبی کی آندھی اس کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کر سکتی ہے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت' خوشنودی اور انعام و اکرام کا مستحق بن جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اس کے رسول ﷺ نے بتا دیا کہ اللہ کے ہاں اس کی کس قدر عزت افزائی ہوگی۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ ' عَنْ یَمِیْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ ' وَکِلْتَا یَدَیْہِ یَمِیْنٌ ' اَلَّذِیْنَ یَعْدِلُوْنَ فِیْ حُکْمِھِمْ وَاَھْلِیْھِمْ وَمَا وَلُوْا)) (۱)

''انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں نورانی منبروں پر رحمان کے دائیں طرف بیٹھے ہوں گے' اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں انصاف سے کام لیتے ہیں اور اپنے گھر والوں اور زیردستوں کے ساتھ بھی انصاف کا رویہ رکھتے ہیں''۔

ایک اور حدیث ہے:

((سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ : اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ

---

۱) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر والحث علی الرفق بالرعیۃ والنھی عن ادخال المشقۃ علیھم۔

فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ، وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ)) (۱)

''سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا: انصاف کرنے والا حکمران' اور وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا' اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہے' اور وہ دو آدمی جو صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' اسی حالت میں ان کی ملاقات ہوتی ہے اور اسی حال میں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں' اور وہ مرد جسے کسی بلند مقام والی اور حسن و جمال والی عورت نے (گناہ کی) دعوت دی لیکن اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں' اور وہ آدمی جس نے صدقہ دیا اور اتنا چھپا کر دیا کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کر دیا' اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔''

عدل کے بعض مظاہر:

۱) اللہ تعالیٰ کے متعلق عدل یہ ہے کہ اس کی عبادت میں اور اس کی صفات میں کسی کو اُس کا شریک نہ بنایا جائے' اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے' اسے یاد رکھا جائے فراموش نہ کیا جائے' اس کا شکر ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔

۲) فیصلہ کرنے میں عدل۔ یعنی جب کسی تنازعہ کا فیصلہ کیا جائے تو ہر حق دار کو اس کا حق دیا جائے اور وہ جس جس چیز کا مستحق ہے اسے بہم پہنچائی جائے۔

۳) بیویوں اور اولاد میں انصاف۔ یعنی کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جائے' سب سے برابر رویہ رکھا جائے۔

۴) بات کرنے میں انصاف۔ یعنی جھوٹی گواہی نہ دے' جھوٹ نہ بولے۔

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب الصدقة بالیمین۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب فضل اخفاء الصدقة ۔

۵) یقین میں عدل۔ صرف حق اور سچی بات کو دل سے قبول کرے خلافِ حقیقت اور خلافِ واقعہ بات کو دل میں جگہ نہ دے۔

فیصلہ کرنے میں انصاف کی ایک اعلیٰ مثال:

حضرت عمر بن خطاب ﷺ تشریف فرما تھے کہ مصر کا ایک باشندہ حاضر خدمت ہوا۔ اس نے عرض کیا: ''جناب! میں (ظلم وزیادتی سے) آپ کی پناہ چاہتا ہوں''۔ ارشاد ہوا: ''تمہیں ظلم سے بچایا جائے گا۔ یہ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''میں نے عمرو بن عاص ﷺ (مصر کے گورنر) کے ایک بیٹے سے گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کیا' میں آگے نکل گیا۔ عمرو ﷺ کا بیٹا مجھے کوڑے سے پیٹنے لگا اور بولا: میں معزز ماں باپ کا بیٹا ہوں۔ عمرو ﷺ کو یہ بات معلوم ہوگئی' انہیں خطرہ ہوا کہ میں آپ کے پاس آ کر شکایت نہ کر دوں تو انہوں نے مجھے قید کر دیا۔ میں وہاں سے چھوٹتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں''۔ حضرت عمر ﷺ نے فوراً اپنے گورنر حضرت عمرو ﷺ کو خط لکھا: ''جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو اپنے فلاں بیٹے سمیت حج کے لئے چلے آئیں''۔ فریادی سے کہا: ''ان کے آنے تک تم میرے پاس قیام پذیر رہو''۔ حج کے موقع پر دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت عمرو بن عاص ﷺ بھی تشریف لائے۔ جب حج سے فراغت ہوئی تو حضرت عمر ﷺ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص ﷺ بھی اپنے بیٹے سمیت حاضر تھے۔ وہی مصری آدمی مجلس میں کھڑا ہوا اور اپنا قصہ یاد دلایا۔ حضرت عمر ﷺ نے دُرّہ فریادی کی طرف پھینک دیا (کہ بدلہ لے لو)۔ اس شخص نے حضرت عمرو ﷺ کے بیٹے کو اتنا پیٹا کہ حاضرین بھی کہنے لگے کاش اب یہ رُک جائے! حضرت عمر ﷺ فرما رہے تھے: ''اس معزز ماں باپ کے بیٹے کی پٹائی کرو''۔ آخر فریادی نے خود ہی کہا: ''امیر المؤمنین! میں نے پورا پورا بدلہ لے لیا ہے اور اپنا غصہ نکال لیا ہے''۔ عمر ﷺ نے فرمایا: ''اب یہ دُرّہ عمرو (ﷺ) کے گنجے سر پر مارو''۔ اس نے عرض کیا: ''جناب! جس نے مجھے مارا تھا میں نے اسے مار لیا''۔ عمر ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اللہ کی! اگر تم مارتے تو کوئی تمہیں نہ روکتا جب تک تم خود نہ

رک جاتے''۔ اس کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا؟ حالانکہ وہ اپنی ماؤں سے آزاد پیدا ہوئے تھے!''

انصاف کا میٹھا پھل:

فیصلہ کرنے میں انصاف کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ دلوں کو اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ قیصر روم نے ایک بار ایک آدمی مدینہ بھیجا تا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات اور کردار کا مشاہدہ کرے۔ جب وہ مدینہ میں داخل ہوا تو لوگوں سے پوچھا: تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: ہمارا کوئی بادشاہ نہیں' ہاں ایک امیر ہے' (کسی کام سے) شہر سے باہر گیا ہے۔ رومی ایلچی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلا' دیکھا سر کے نیچے چھڑی رکھی ہوئی ہے اور ریت پر لیٹے ہوئے سو رہے ہیں۔ اس نے جب یہ کیفیت دیکھی تو دل کی عجیب کیفیت ہوگئی۔ بولا: جس کی ہیبت سے تمام بادشاہ لرزہ براندام رہتے ہیں' اس کی یہ حالت ہے؟ عمر! تو نے انصاف کیا اس لئے (بے خوف ہوکر) سو گیا' ہمارا بادشاہ ظلم کرتا ہے' اسی لئے اسے خوف کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔

اعتدال کا دائرہ کار عدل سے وسیع تر ہے۔ یہ مسلمان کی زندگی کے تمام پہلوؤں اور تمام گوشوں کو محیط ہے۔ اعتدال کا مطلب ہے افراط اور تفریط سے ہٹ کر درمیانی راستے پر گامزن رہنا۔ افراط اور تفریط دونوں بری خصلتیں ہیں۔ عبادت میں اعتدال کا یہ مطلب ہے کہ اس میں نہ تو غلو ہو کہ انسان خواہ مخواہ اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کئے رکھے' نہ لاپروائی اور تفریط ہو کہ عبادات کو اچھے طریقے سے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا نہ کیا جائے۔ اسی طرح خرچ کرنے کے بارے میں اعتدال یہ ہے کہ نہ فضول خرچی اور بے جا اسراف ہو' نہ کنجوسی کی کیفیت ہو کہ ضروری اخراجات سے بھی پرہیز ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان:٦٧)

''وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخیلی کرتے ہیں' اور اُن کا رویہ اس کے درمیان اعتدال والا ہوتا ہے۔''

لباس میں اعتدال یہ ہے کہ نہ تو ایسا لباس پہنا جائے جس میں فخر و مباہات ہو' نہ بالکل نکما لباس پہنا جائے کہ چیتھڑے لٹک رہے ہوں۔ چال میں اعتدال یہ ہے کہ نہ فخر و تکبر سے اکڑ کر چلا جائے' نہ ایسی چال ہو جس سے مسکینی اور ذلت ظاہر ہو۔ اسی طرح زندگی کے ہر میدان میں افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ ہی بہترین ہے۔

اعتدال کا استقامت سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اور استقامت ایک اعلیٰ ترین خوبی اور بلند ترین خُلق ہے۔ اس کی وجہ سے انسان اللہ کی حدوں سے تجاوز نہیں کرتا اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا' بلکہ ان کے کسی حصہ میں بھی کوتاہی سے کام نہیں لیتا۔ عفت بھی اعتدال ہی کا ایک پہلو ہے' کیونکہ باعفت آدمی جائز حقوقِ زوجیت سے فائدہ اٹھاتا ہے' لیکن اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے ناجائز راستہ اختیار نہیں کرتا۔

اعتدال و استقامت کسی بھی انسان کے لئے بڑے شرف اور فخر کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا انعام بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾ (الجن:١٦)

''اگر (یہ لوگ) راہِ (راست) پر قائم رہتے تو ہم انہیں بہت پانی عطا فرماتے۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞﴾ (الاحقاف:١٣'١٤)

''جنہوں نے کہا ہمارا ربّ اللہ ہے' پھر استقامت اختیار کی' ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ یہی جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ان عملوں کی جزا ہے جو وہ انجام دیتے رہے تھے۔''

رحم دلی

مسلمان رحم دل ہوتا ہے' اور رحم دلی اس کے اخلاق میں شامل ہوتی ہے' کیونکہ رحم دلی روح وقلب کی پاکیزگی سے وجود میں آتی ہے۔ اور مسلمان چونکہ ہمیشہ نیکیاں کرتا رہتا اور اعمالِ صالحہ انجام دیتا رہتا ہے' برائی سے بچتا اور مفاسد سے دور رہتا ہے اس لئے اس کا دل ہمیشہ پاک اور اس کی روح ہمیشہ مطہر رہتی ہے۔ اور جس شخصیت کی یہ کیفیت ہو رحمت اس کے دل سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مسلمان کا یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ رحمت کو پسند کرتا ہے' دوسروں پر رحم کرتا ہے۔ وہ سب کو رحم دل دیکھنا چاہتا ہے اس لئے رحم دلی کی تلقین کرتا اور اس کی طرف بلاتا ہے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۞ اُولٰئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۞﴾ (البلد:۱۷'۱۸)

''پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لاتے ہیں' ایک دوسرے کو صبر وثبات کی تلقین کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو رحم دلی کی نصیحت کرتے ہیں۔ یہی دائیں ہاتھ والے ہیں''۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ)) (۱)

''اللہ اپنے رحم دل بندوں پر ہی رحم کرتا ہے''۔

نیز ارشاد ہے:

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ)) (۲)

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی ﷺ :((يُعَذَّبُ الْمَيِّتُ بِبَعْضِ بُكَاءِ عَلَيْهِ..... وَمَا يُرَخَّصُ مِنَ الْبُكَاءِ فِيْ غَيْرِ نَوْحٍ))۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت

۲) سنن الترمذی' کتاب البر والصلة' باب ما جاء فی رحمة المسلمین۔ ومستدرك حاکم۔ اس کی سند صحیح ہے۔

''زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

مؤمن اس فرمانِ نبویؐ سے رہنمائی لیتا ہے:

((مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ)) (۱)

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

اور

((لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِیٍّ)) (۲)

''رحمت اسی سے چھینی جاتی ہے جو بدنصیب ہو۔''

مؤمن اس حدیث نبویؐ کا عملی پیکر ہوتا ہے:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى)) (۳)

''باہمی محبت' باہمی رحم اور باہمی شفقت میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔ اگر اس کا ایک عضو بیمار ہو جائے تو باقی سارا جسم بے خوابی اور بخار کی صورت میں اس کا ساتھ دیتا ہے''۔

یوں تو رحمت کا اصل مفہوم اس طرح بیان کیا جاتا ہے: ''دل کی نرمی اور نفسِ انسانی کا میلان' جو مغفرت اور احسان کا تقاضا کرے''۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ محض ایک نفسیاتی جذبہ ہو' جس کا خارج میں کوئی وجود نہ ہو' بلکہ اس کے ٹھوس مظاہر ہمیں دنیا کے معاملات میں نظر آتے ہیں۔ رحمت کا ایک خارجی مظہر خطا کار کو معاف کرنا بھی ہے۔ اس کے علاوہ مصیبت زدہ کی مشکل دُور کرنا' کمزور کی مدد کرنا' بھوکے کو کھانا کھلانا' ننگے کو کپڑا پہنانا' بیمار کا علاج معالجہ کرنا' غمگین کو تسلی تشفی دینا' یہ سب رحمت ہی کے مظاہر ہیں۔ ان کے علاوہ رحمت کے بے شمار مظاہر انسانی زندگی میں دیکھے

۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب رحمة الولد وتقبیله ومعانقته۔ وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمته (ﷺ) الصبیان والعیال وتواضعه وفضل ذلك۔

۲) جامع الترمذی' کتاب البر والصلة' باب ما جاء فی رحمة المسلمین۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی الرحمة۔

۳) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب رحمة الناس والبهائم۔ وصحیح مسلم' کتاب البر' باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضدهم۔

جا سکتے ہیں۔

رحمت وشفقت کی کچھ عملی مثالیں پیش خدمت ہیں' جن سے رحم دلی اور نرم دلی محسوس صورت میں ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔

۱) حضرت اَنس بن مالک ﷺ کا بیان ہے: ''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ابو یوسف ﷺ کے ہاں گئے۔ وہ لوہے کا کام کرتے تھے اور (آنحضرت ﷺ کے فرزند) جناب ابراہیم ﷺ کے رضاعی باپ تھے۔ آنحضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم ﷺ کو گود میں لے لیا اور انہیں بوسہ دیا۔ اس کے بعد (ایک دوسرے موقع پر) ہم لوگ ابو یوسف ﷺ کے ہاں گئے تو ابراہیم ﷺ کا آخری وقت تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ نے عرض کی: حضور ﷺ! آپ بھی روتے ہیں؟ ارشاد ہوا: ((یَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا الرَّحْمَةُ)) ''عوف کے بیٹے! یہ تو رحمت ہے''۔ پھر فرمایا: ((اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزُنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضَی رَبُّنَا' اِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ)) ''آنکھ سے آنسو بہتے ہیں' دل غم گین ہے' لیکن ہم (زبان سے) وہی (الفاظ) کہیں گے جن سے اللہ راضی ہو۔ ابراہیم! تیری جدائی کا ہمیں بہت غم ہے''۔(۱)

جناب رسول اللہ ﷺ کا اپنے ننھے بچے کو دیکھنے کے لئے ان کے دودھ پلانے والوں کے ہاں تشریف لے جانا اور اسے پیار کرنا' پھر جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھا تو اُس کی عیادت کے لئے تشریف لے جانا اور غم کی وجہ سے آنسو بہانا' یہ سب دل میں رحمت وشفقت کی موجودگی کے مظاہر ہیں۔

۲) جناب ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک بار کوئی آدمی چلا جا رہا تھا' اسے سخت پیاس لگی' وہ ایک کنوئیں میں اتر گیا اور پانی پی لیا۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا تھا اور پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کو مُنہ مار رہا

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی ﷺ: ((اِنَّا بِکَ لَمَحْزُوْنُوْنَ)) وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمته الصبیان والعیال .....

تھا۔ اس نے کہا: پیاس سے جس طرح مجھے تکلیف ہوئی تھی ویسی ہی تکلیف اس کتے کو بھی ہو رہی ہے۔ وہ دوبارہ کنوئیں میں اترا' اپنا موزہ پانی سے بھرا' اسے مُنہ میں پکڑ کر باہر نکلا اور کتے کو پانی پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی کی قدر کی اور اسے معاف فرما دیا''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں جانوروں کی وجہ سے بھی ثواب ملتا ہے؟ ارشاد ہوا: ((فِیْ کُلِّ کَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ)) ''ہر تر جگر رکھنے والے (یعنی زندہ مخلوق) میں (اُس پر احسان کرنے کی وجہ سے) ثواب ہے''۔[1]

آدمی کا کنوئیں میں اترنا اور بڑی مشکل سے پانی نکال کر پیاسے کتے کو پلانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے دل میں رحم موجود تھا' ورنہ وہ کبھی یہ نیکی نہ کرتا۔

اس کے برعکس مثال اس حدیث میں ملتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا پڑا۔ اُس نے بلی کو بند کر دیا تھا حتیٰ کہ وہ مر گئی تو وہ عورت اس کی وجہ سے جہنم میں جا پہنچی۔ اُس سے کہا گیا: تو نے اسے کھلایا نہ پلایا' نہ چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی''۔[2]

اس عورت کی یہ حرکت اس کی سنگ دلی کو ظاہر کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے دل میں رحمت و شفقت باقی نہیں رہی تھی۔ اور رحم دلی تو اس کے دل سے نکل جاتی ہے جو انتہائی شقی و بدبخت ہو۔

۳) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بعض اوقات میں نماز (پڑھانا) شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ نماز لمبی پڑھانے کا ہوتا ہے' پھر مجھے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں' کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو بہت پریشانی ہوتی ہے''۔[3]

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب رحمة الناس والبهائم

(۲) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب خمس من الدواب یقتلن فی الحرم

(۳) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب من اخف الصلاة عند بکاء الصبیّ

آنحضرت ﷺ نماز میں لمبی قراءت کرنا چاہتے ہیں لیکن مختصر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بچے کے رونے کی وجہ سے ماں کا دل تڑپتا ہے۔ یہ دونوں رحمت کے مظاہر ہیں، وہ رحمت جو اللہ نے اپنے رحم دل بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔

۴) روایت ہے کہ جناب زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ مسجد کی طرف جا رہے تھے کہ کسی نے آپؒ کو گالی دے دی۔ آپ کے غلاموں نے اس کی پٹائی کرنا چاہی لیکن آپؒ نے اس پر رحم کرتے ہوئے انہیں روک دیا، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''بھائی! جو کچھ تو نے کہا ہے مَیں تو اس سے بھی بڑھ کر ہوں۔ اور میرے جو عیب تجھے معلوم نہیں، وہ ان عیبوں سے کہیں زیادہ ہیں جو تجھے معلوم ہیں۔ اگر تمہیں کوئی ضرورت ہے تو کہو''۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوا۔ آپؒ نے اُسے قمیص اتار کر دے دی اور ہزار درہم عطا فرمائے۔

یہ عفو اور احسان اس رحمت کا مظہر ہے جو نواسۂ رسول حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے اس عظیم فرزند کے دل میں موجزن تھی۔

بقیہ حواشی: اکل حلال کی اہمیت

۲) مسند احمد، کتاب مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق۔
۳) رواہ احمد، والدارمی، والبیھقی فی شعب الایمان۔
٤) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا۔
٥) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب من لم یبال من حیث کسب الاعمال۔
٦) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ۔ وصحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب اخذ الحلال وترک الشبھات۔
۷) رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ۔
۸) رواہ الترمذی، والنسائی، وابن ماجہ۔

ملکی وملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہار رائے

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاباتِ جمعہ کے آئینہ میں

(۱)

''مولانا نورانی کی موت ایک عظیم قومی سانحہ ہے''

۱۲ دسمبر ۲۰۰۳ء کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

مولانا شاہ احمد نورانی دین وقرآن سے والہانہ تعلق رکھنے والے درویش منش انسان تھے۔ ان جیسے کسی عالم کی موت واقعتاً ایک جہان کی موت سے کم نہیں۔ اگرچہ ہر شخص کو ایک دن اس دنیا سے جانا ہے لیکن مولانا نورانی کی موت اس اعتبار سے بہت بڑا قومی سانحہ ہے کہ آج ان کی جگہ پُر کرنے والا کوئی نہیں۔ قحط الرجال کے اس دور میں مولانا کی شخصیت بہت غنیمت تھی' ان کی شخصی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دینی جماعتیں ہمیشہ ان کی سربراہی پر متفق ہو جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ متحدہ مجلس عمل جیسے اتحاد کے سربراہ تھے اور ان کی موت ایم ایم اے کے لئے بہت بڑا دھچکا ہے۔

جنرل پرویز مشرف جس طرح اسلام دشمن طاقتوں کے آلہ کار بن کر ایک نظریے پر قائم ہونے والے ملک کی نظریاتی جڑوں کو کاٹ رہے ہیں' ان حالات میں ملک کو مولانا نورانی جیسے افراد کی بہت سخت ضرورت ہے۔ ہم نے قیام پاکستان کے بعد بحیثیت قوم اللہ کے دین کے نفاذ سے اعراض کر کے جس طرح ناشکری کی روش اختیار کر رکھی ہے' تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کا دستِ رحمت ہم سے اٹھ گیا ہے' جس کا مظہر یہ ہے کہ مولانا عبدالستار نیازی' نواب زادہ نصر اللہ خان اور مولانا نورانی جیسے عظیم افراد ہم میں کم ہوتے جا رہے ہیں۔

امریکہ' اسرائیل اور بھارت پاکستان کے نظریاتی وجود کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ پاکستان بھی دنیا کے دیگر ممالک کی طرح ان کے نظام کو قبول کر کے اس سودی نظام کا ایک پرزہ بن جائے جس کا مقصد انسان کو کولہو کا بیل بنانا ہے۔ اگر ہم اب بھی نہ سنبھلے تو وطن عزیز الحاد اور بے دینی کے اس سیلاب میں ڈوب جائے گا۔ مولانا نورانی کی زندگی میں ہمارے لئے یہ سبق موجود ہے کہ ہم اللہ کے دین کے نفاذ کو اپنا مقصدِ حیات بنائیں اور بے دینی کے سیلاب کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں۔

(۲)

''بھارت کے مقابلے میں کمزوری کی وجہ ہماری اللہ تعالیٰ سے بدعہدی ہے''

۱۹ر دسمبر ۲۰۰۳ء کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

صدر پرویز مشرف نے مسئلہ کشمیر پر جس طرح یکطرفہ اور غیر معمولی لچک کا مظاہرہ کیا ہے وہ قومی امنگوں اور جمہوری روایات کے منافی ہے، کیونکہ اس مسئلہ پر ۵۵ سال سے پوری قوم نے جو موقف اختیار کر رکھا ہے اس میں تبدیلی کا کسی فرد واحد کو اختیار نہیں۔ ۵۵ سالہ تجربات بالخصوص معرکہ کارگل سے ثابت ہو گیا ہے کہ ہم بھارت سے قوت کے بل پر کشمیر واپس نہیں لے سکتے' چنانچہ ان حالات میں یہ مسئلہ کچھ دو اور کچھ لو کے اصول کے تحت ہی حل ہوگا۔ تاہم اس صورت میں بھی لچک کا مظاہرہ دونوں فریقوں کو کرنا ہوگا۔ لہٰذا صدر مشرف کو اس اہم ایشو پر پوری قوم کو یکجا کر کے سیاسی رہنماؤں اور دانشوروں سے مشورہ کے بعد کسی حل کی طرف بڑھنا چاہیے تھا، لیکن انہوں نے جس طرح یکطرفہ طور پر اس مسئلہ کو تھالی میں رکھ کر پیش کر دیا ہے وہ پوری قوم کے ساتھ ظلم اور نا انصافی کے مترادف ہے، تاریخ انھیں اس غلطی پر کبھی معاف نہیں کرے گی۔

بھارت کے مقابلے میں ہماری کمزوری کی وجہ یہ ہے ہم نے اس ملک کے حصول

کے وقت اللہ سے نفاذِ دین کا جو وعدہ کیا تھا اسے اب تک پورا نہیں کیا، جس کے باعث اللہ کی مدد ہمارے ساتھ نہیں ہے لہٰذا اب ہم کبھی امریکہ و برطانیہ اور کبھی دوسرے ممالک کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ بانی پاکستان قائداعظم نے متعدد مواقع پر کہا کہ قرآن ہمارا دستور ہے اور ہم نے یہ ملک ایک اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لیے قائم کیا تھا لیکن گزشتہ پچپن سالوں میں قرآن کو دستور اور اس ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی طرف کسی نے سنجیدگی سے توجہ نہیں دی، بلکہ یہاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی سکہ شاہی میں عوام کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں۔ عوام پر ظلم و ستم کا حال یہ ہے کہ اب تو ورلڈ بینک بھی چیخ اٹھا ہے کہ پٹرول کی قیمتیں ایک حد تک بڑھائی جائیں۔ اگر ہم اب بھی قیام پاکستان کے وقت کیے گئے وعدے کو پورا کر دیں تو اللہ کی تائید و نصرت ہمارے شامل حال ہو جائے گی اور ہم طاقت سے کشمیر تو کیا بھارت بھی حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اس کے بغیر لال قلعے پر جھنڈے لہرانے کی باتیں کرنا حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔ oo

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

ضرورت رشتہ

دو بہنیں عمر 38 سال اور 28 سال۔ ایم اے' اسلامیات' دیندار' پابند صوم و صلوٰۃ' امور خانہ داری کا شوق' نرم مزاج' خوش شکل' صاف رنگت' متوسط گھرانہ۔ تعلق یو پی انڈیا' سنی' شیخ' مقیم گلشن اقبال کراچی کے لئے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: سید رضی الدین' فون: 0300-2397571

امریکہ، اسرائیل اور بھارت پاکستان کے نظریاتی وجود کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ پاکستان بھی دنیا کے دیگر ممالک کی طرح ان کے نظام کو قبول کر کے اس سودی نظام کا ایک پرزہ بن جائے جس کا مقصد انسان کو کولہو کا بیل بنانا ہے۔ اگر ہم اب بھی نہ سنبھلے تو وطن عزیز الحاد اور بے دینی کے اس سیلاب میں ڈوب جائے گا۔ مولانا نورانی کی زندگی میں ہمارے لئے یہ سبق موجود ہے کہ ہم اللہ کے دین کے نفاذ کو اپنا مقصدِ حیات بنائیں اور بے دینی کے سیلاب کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں۔

(۲)

''بھارت کے مقابلے میں کمزوری کی وجہ ہماری اللہ تعالیٰ سے بدعہدی ہے''

۱۹/دسمبر ۲۰۰۳ء کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

صدر پرویز مشرف نے مسئلہ کشمیر پر جس طرح یکطرفہ اور غیر معمولی لچک کا مظاہرہ کیا ہے وہ قومی امنگوں اور جمہوری روایات کے منافی ہے، کیونکہ اس مسئلہ پر ۵۵ سال سے پوری قوم نے جو موقف اختیار کر رکھا ہے اس میں تبدیلی کا کسی فرد واحد کو اختیار نہیں۔ ۵۵ سالہ تجربات بالخصوص معرکہ کارگل سے ثابت ہو گیا ہے کہ ہم بھارت سے قوت کے بل پر کشمیر واپس نہیں لے سکتے، چنانچہ ان حالات میں یہ مسئلہ کچھ دو اور کچھ لو کے اصول کے تحت ہی حل ہوگا۔ تاہم اس صورت میں بھی لچک کا مظاہرہ دونوں فریقوں کو کرنا ہوگا۔ لہٰذا صدر مشرف کو اس اہم ایشو پر پوری قوم کو یکجا کر کے سیاسی رہنماؤں اور دانشوروں سے مشورہ کے بعد کسی حل کی طرف بڑھنا چاہیے تھا، لیکن انہوں نے جس طرح یکطرفہ طور پر اس مسئلہ کو تھالی میں رکھ کر پیش کر دیا ہے وہ پوری قوم کے ساتھ ظلم اور نا انصافی کے مترادف ہے، تاریخ انھیں اس غلطی پر کبھی معاف نہیں کرے گی۔

بھارت کے مقابلے میں ہماری کمزوری کی وجہ یہ ہے ہم نے اس ملک کے حصول

کے وقت اللہ سے نفاذِ دین کا جو وعدہ کیا تھا اسے اب تک پورا نہیں کیا، جس کے باعث اللہ کی مدد ہمارے ساتھ نہیں ہے لہٰذا اب ہم کبھی امریکہ و برطانیہ اور کبھی دوسرے ممالک کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ بانی پاکستان قائداعظم نے متعدد مواقع پر کہا کہ قرآن ہمارا دستور ہے اور ہم نے یہ ملک ایک اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لیے قائم کیا تھا لیکن گزشتہ پچپن سالوں میں قرآن کو دستور اور اس ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی طرف کسی نے سنجیدگی سے توجہ نہیں دی، بلکہ یہاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی سکہ شاہی میں عوام کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں۔ عوام پر ظلم و ستم کا حال یہ ہے کہ اب تو ورلڈ بینک بھی چیخ اٹھا ہے کہ پٹرول کی قیمتیں ایک حد تک بڑھائی جائیں۔ اگر ہم اب بھی قیام پاکستان کے وقت کیے گئے وعدے کو پورا کر دیں تو اللہ کی تائید و نصرت ہمارے شامل حال ہو جائے گی اور ہم طاقت سے کشمیر تو کیا بھارت بھی حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اس کے بغیر لال قلعے پر جھنڈے لہرانے کی باتیں کرنا حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔ oo

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

ضرورت رشتہ

دو بہنیں عمر 38 سال اور 28 سال۔ ایم اے' اسلامیات' دیندار' پابند صوم و صلوٰۃ' امور خانہ داری کا شوق' نرم مزاج' خوش شکل' صاف رنگت' متوسط گھرانہ۔ تعلق یو پی انڈیا' سنی' شیخ' مقیم گلشن اقبال کراچی کے لئے ہم پلہ رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: سید رضی الدین' فون: 0300-2397571

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NATIONAL DISTRIBUTORS

NTN BEARINGS

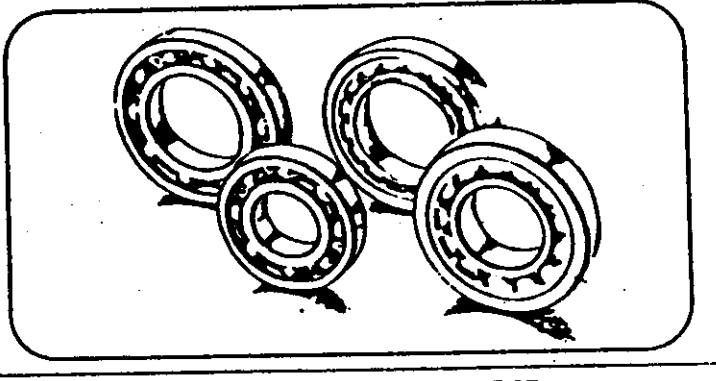

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box #. 1178 *Phones :* 7732952 - 7730595 *Fax :* 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY,*** 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

قسط وار سلسلہ (7)

جدید دنیائے اسلام

الجزائر (Algeria)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

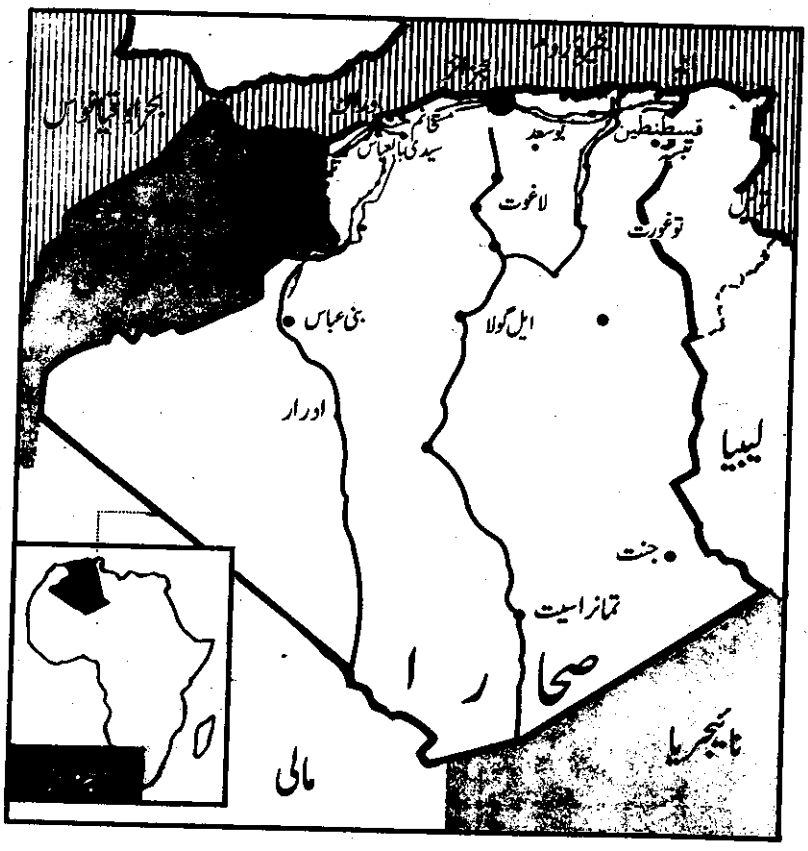

الجزائر: ایک نظر میں

سرکاری نام: الجمہوریہ الجزائریہ الدیمقراطیہ والشبیہ

صدر مملکت: عبدالعزیز بوطیفلکا (1999ء)

وزیراعظم: علی بن فلس (2000ء)

رقبہ: 9 لاکھ 19 ہزار 590 مربع میل (23 لاکھ 81 ہزار 740 مربع کلومیٹر)

آبادی: 3 کروڑ 32 لاکھ

شرح افزائش آبادی: 1.7 فی صد سالانہ

شرح پیدائش: 24 فی ہزار

شرح اموات اطفال: 42 فی ہزار

گنجانی آبادی: 35 افراد فی مربع میل

دارالحکومت: الجزائر

بڑے بڑے شہر: الجیریز (آبادی پندرہ لاکھ)، اوران (ساڑھے چھ لاکھ)، قسطینہ (ساڑھے چار لاکھ)، انایا (تین لاکھ)، بلیدی (تین لاکھ)، بیدی بل عباس (دو لاکھ)

کرنسی: دینار

زبانیں: عربی (سرکاری)، فرانسیسی اور بربر بولیاں

نسلیں: عرب بربر (99 فیصد) باقی ایک فیصد یورپی

مذہب: 99 فیصد اسلام۔ سنی

شرح خواندگی: 57 فیصد

مجموعی قومی پیداوار: 172 ارب ڈالر (2000ء)

فی کس آمدنی: 5500 ڈالر سالانہ

شرح افزائش آمدنی: 5 فیصد

افراطِ زر: 2 فیصد

بے روزگاری: 30 فیصد

قابل کاشت رقبہ: 3 فیصد

زراعت: انگور، گندم، جو، آلو، ٹماٹر، پیاز، کھجور، سنگترہ، تربوز، زیتون

صنعت و حرفت: پٹرولیم، کھاد، سیمنٹ، فولاد، شراب، کان کنی

معدنیات: خام تیل، قدرتی گیس، لوہا، پارہ، جست، فاسفیٹ

برآمدات: 19.6 ارب ڈالر (2000ء)

پٹرولیم، قدرتی گیس، شراب، سرکہ، پھل، سبزیاں

درآمدات: 9.2 ارب ڈالر۔ اشیائے صرف، خوراک، مشروبات

تجارتی ساتھی: اٹلی، امریکا، فرانس، سپین، برازیل، ہالینڈ، جرمنی اور ترکی

پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) کے وسط میں عرب داعیانِ اسلام کی حیثیت سے افریقہ پہنچے۔ عرب سالار عقبہ بن نافع نے قیروان کی بنیاد رکھی' تاکہ مغرب کی طرف پیش قدمی کے لئے اسے ایک قریبی چھاؤنی کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ پھر تھوڑی سی فوج لے کر سیلِ جرار کی طرح نکلا اور پورے مغرب کو روندتا ہوا ساحلِ اوقیانوس پر پہنچ گیا۔ رومیوں کی فوجی طاقت تو بہت جلد پاش پاش ہوگئی' لیکن مقامی باشندوں یعنی بربروں کو مستقل طور پر فرمانبردار بنانا زیادہ دشوار کام تھا۔ مغرب الاوسط میں عربوں کے خلاف منظم مزاحمت کی ابتدا ہوئی۔ کئی مقامی جتھے اٹھ کھڑے ہوئے اور بسکرہ کے قریب عقبہ بن نافع سے جنگ کی۔ اس جنگ میں عقبہ نے شہادت پائی (63 ہجری/682ء)۔ عربوں کے خلاف اس لڑائی میں اور اس پہاڑ کو خصوصیت سے ایک گوریلا جنگ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اسی پہاڑ کے دامن میں اس ملک کی افسانوی ملکہ "کاہنہ" نے شاندار کامیابی کے بعد عربوں کے ہاتھوں بربروں کی آزادی کے برباد ہونے کا منظر دیکھا۔ (74 ہجری/693ء)

آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں مغرب الاوسط ایک بار پھر مقامی باشندوں کی مزاحمت کا مرکز بن گیا' جب بربر خارجی مذہب کے پیرو بنا لئے گئے۔ شروع میں تلمسان ان باغیوں کا بڑا مرکز تھا۔ نویں صدی عیسوی میں مقام تاہرات (رستمی اماموں کا دارالسلطنت) بربری خوارج کا مرکز بن گیا۔

یہ وسطی علاقہ اس ملک سے ملا ہوا تھا جہاں قیروان کے بنو اغلب عباسیوں کے نام پر حکومت کر رہے تھے اور اسی قربت کی وجہ سے نویں صدی میں مصر کے فاطمی اقتدار کی داغ بیل پڑی' لیکن ان نئے آقاؤں کو کسی مزاحمت اور لڑائی کے بغیر قبول کیا گیا۔ اس علاقے کے اکثر قبائل دسویں صدی میں فاطمیوں کے سب سے زیادہ کارآمد رفقائے کار بن گئے اور انہوں نے زناتہ قبائل کی مخالفت میں' جو ہسپانیہ کے امویوں کے باج گزار تھے' فاطمیوں کی معاونت کی۔ زناتہ زیادہ تر خانہ بدوش تھے اور وسطی و مغربی میدانوں میں پھرتے رہتے تھے۔ صنہاجہ قبائل مستقلاً آباد اور جمے جمائے قبیلے تھے اور وسطی و مشرقی کوہستانی علاقوں میں آباد تھے۔ انہوں نے شہر آباد کئے یا انہیں ترقی دی' جیسے قلعہ اور اشیر۔ قلعہ صنہاجہ کے بنو حماد کا دارالسلطنت تھا۔ افریقیہ میں جو سنگین واقعات پیش آئے' ان کا اثر اس مؤخرالذکر سلطنت پر پڑا۔ بنو ہلال عربوں کے حملے نے جو گیارہویں صدی کے وسط میں ہوا' سلطنت قیروان تباہ کر ڈالی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ تاجروں اور صنعت کاروں کی بڑی تعداد قلعے میں آ گئی اور وہاں کئی ایسے قصر تعمیر ہوئے جن میں فاطمی مصر اور ایران کے اثرات نمایاں تھے۔ کچھ عرصے کے بعد عربوں کی یورش کی زد بنو حماد پر بھی پڑی اور وہ بجایہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

جو علاقے بعد میں صوبہ قسطنیہ بنے' وہاں سابق حکمرانوں کی قوت میں اضافہ ہو گیا۔ لیکن وہران اور الجزائر نئے مالکوں کے قبضے میں آ گئے۔ گیارہویں صدی میں مرابطون نے مراکش سے

نکل کر پورے الجزائر پر قبضہ کر لیا۔ پھر بارہویں صدی میں الموحدون اور بنو مؤمن نے اپنی حکومت پورے شمالی افریقہ میں قائم کر لی۔ ان دونوں خاندانوں نے اسلامی اندلس کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ یوں اپنی سلطنت کے شہروں خصوصاً تلمسان کو اندلس کے شاندار تمدن کی برکات سے مالا مال کر دیا۔

تیرہویں صدی کے آغاز میں موحدون کی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور تلمسان' جو عربوں اور مرابطیوں کے ہاتھوں بربادی سے بچ گیا تھا' بنو عبدالواد کا (جو پہلے زناتہ خانہ بدوش تھے) دارالحکومت بن گیا۔ اس نئی مملکت نے حقیقی اقتصادی خوشحالی حاصل کی' لیکن اسے اپنے مراکشی ہمسایوں یعنی بنو مرین کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لاحق رہا اور سولہویں صدی کے آغاز میں اسے الجزائری ترکوں نے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔

الجزائر کی چھوٹی سی بربری بندرگاہ کے سامنے ہسپانویوں کا ورود شمالی افریقہ کے وسطی علاقے میں ترکی مداخلت کا موجب بنا اور انہوں نے الجزائر کو ایک باج گزار حکومت کا مرکز بنا لیا۔ الجزائر اس وقت تین صوبوں میں منقسم تھا۔ وہ نئے آقاؤں کے براہِ راست اقتدار سے ایک حد تک محفوظ رہا اور اس کے خانہ بدوش اور مستقل باشندے بھی نسبتاً آزاد رہ کر پرانی طرح کی زندگی بسر کرتے رہے۔

ترکوں کا عہدِ حکومت

4 ربیع الاول 897 ہجری/6 جنوری 1492ء کو اہل ہسپانیہ نے اندلس کی آخری اسلامی سلطنت غرناطہ پر قبضہ کیا اور عہد و پیمان کے سراسر خلاف مسلمانوں کو اندلس سے نکالنے لگے۔ جو مسلمان شمالی افریقہ میں پناہ گزین ہونے کے لئے جہازوں پر سوار ہو جاتے' ان پر سمندر میں چھاپے مارتے۔ ان مہاجروں کی حفاظت و امداد میں جن مجاہدین نے جان کی بازی لگائی' ان میں عروج اور اس کے بھائی خیر الدین کو ممتاز درجہ حاصل ہے' جو تاریخ میں ''باربروسہ برادران'' کے نام سے معروف ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اندلس اور دوسرے جزیروں سے اٹھا اٹھا کر شمالی افریقہ بھی پہنچاتے اور ان پر حملے کرنے والے فرنگی جہازوں کو بھی ڈبوتے تھے۔ اس وجہ سے اہل فرنگ نے انہیں ''بحری قزاق'' کہنا شروع کر دیا۔ پھر ہسپانیہ نے شمالی افریقہ پر حملے شروع کر دیئے' کیونکہ پوپ کارڈینل زمینس (Ximenes) نے مسیحی ہسپانیہ کی توسیع کے سلسلے میں الجزائر کی تسخیر لازم قرار دی تھی۔ چنانچہ 1509ء میں وہران اور 1510ء میں بندرگاہ الجزائر پر ہسپانویوں کا قبضہ ہو گیا۔ بندرگاہ سے تقریباً تین سو گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا جزیرہ پنون ہے۔ اس پر ہسپانویوں نے ایک مستحکم قلعہ بنا کر توپیں نصب کر دیں' جن کا رخ بندرگاہ کی طرف تھا۔ عروج ترک نے الجزائر' تنس' ملیانہ' مدیہ اور تلمسان وغیرہ قصبوں پر قبضہ کر لیا اور الجزائریوں کی درخواست پر اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ ہسپانویوں نے تلمسان کا محاصرہ چھ مہینے تک جاری رکھا۔ آخر عروج نے شہادت پائی (924ھ/

1518ء)' لیکن خیر الدین نے اپنے مرحوم بھائی کا منصب قیادت سنبھال کر مفتوحہ علاقے سلطان ترکی کے حوالے کر دیئے۔

اسی طرح خیر الدین باربروسہ کے اقتدار اور وقار میں بھی اضافہ ہو گیا اور اسے ضرورت کے مطابق فوجی و مالی امداد بھی مل گئی۔ اس نے بونہ' قسطنطینہ' شرشال اور کولو مسخر کر لئے۔ پھر ہسپانویوں کو پنون کی حوالگی پر مجبور کر دیا (1529ء)۔ آخر سلطان ترک نے خیر الدین کو عثمانی بیڑے کا سپہ سالار اعظم بنا دیا اور الجزائر کے انتظام کے لئے بیگلر بیگی (گورنر) مقرر ہونے لگے جو 1587ء تک ہر خدمت انجام دیتے رہے۔ 1541ء میں چارلس پنجم نے' جو ہسپانیہ کے علاوہ متعدد یورپی ممالک کا شہنشاہ تھا' الجزائر پر حملہ کیا' مگر اسے ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر عثمانی سلاطین نے پاشاؤں کو گورنر بنا کر بھیجنا شروع کر دیا' جن کی میعاد صرف تین سال ہوتی تھی۔ نظم و نسق کا یہ طریقہ 1070ھ/1659ء تک قائم رہا۔ آخر میں مختلف جیوش کے سالار' جن کو ''آغا'' کہتے تھے' خود اپنے میں سے ایک حاکم اعلیٰ چننے لگے' جس کا لقب ''دے'' (Dey) قرار پایا۔ یہ سلسلہ الجزائر پر فرانس کے قبضے تک جاری رہا۔

یہ پاشا' آغا اور دے' جو تین تین سال حاکم رہتے تھے' زیادہ تر وہاں کے سپاہیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہوتے تھے۔ انہیں شروع میں اناطولیہ کی شہری آبادی سے بھرتی کیا جاتا تھا یا یہ ''طائفۃ الرؤسا'' سے لئے جاتے تھے' جو جہازوں کے ناخداؤں پر مشتمل ایک جماعت تھی۔ یہ جماعت تین سو سال تک الجزائر کے خزانے کو اس کی آمدنی کا بیشتر حصہ بہم پہنچاتی رہی۔ وہ چاروں آغا جنہوں نے یکے بعد دیگرے 1659ء تا 1671ء حکومت کی' چاروں قتل کئے گئے اور اٹھائیس ''دے رؤسا'' میں سے چودہ کا بھی یہی حشر ہوا۔

جب دے اس قابل ہوئے کہ اپنی قوت قائم رکھ سکیں تو مطلق العنان بادشاہوں کی طرح حکومت کرنے لگے۔ تاہم ایک مجلس (دیوان) انہیں مدد دیتی تھی جن میں خزانہ دار' سپہ سالار' بحری انتظامات کا رئیس' امیر جاگیرات اور محصل خراج شامل ہوتے تھے۔ ضلع الجزائر دار السلطان کہلاتا تھا اور سات خطوں میں منقسم تھا۔ ان میں سے ہر خطہ ایک ترک قائد کے زیر انتظام تھا اور یہ قائد براہِ راست ''دے'' کے زیر حکومت ہوتے تھے۔ باقی پورا ملک تین صوبوں میں بٹا ہوا تھا جس کے مطابق بعد میں فرانسیسیوں نے اپنے قبضے کے بعد تین صوبے بنائے' یعنی:

1) صوبہ تیتری' جس کا صدر مقام مدیہ تھا۔

2) مشرقی صوبہ' جس کا مرکز قسطنطینہ تھا۔

3) مغربی صوبہ' جس کا دار الحکومت پہلے مازونہ تھا' پھر معسکرہ رہا' 1792ء کے بعد سے وہران ہو گیا۔

صوبے دار یا بے' جن کا تقرر اور برخاستگی ''دے'' کے حکم سے ہوتی تھی' اپنے اپنے صوبے میں

اختیارِ کامل رکھتے تھے۔ قائد ان کے مددگار ہوتے تھے۔ مرکزی حکومت کی نظر میں وہ صرف مال گزاری وصول کرنے والے اور محاصل کی وصولی کے ٹھیکے دار ہوتے تھے' جو عام طور پر اپنے عہدے خرید لیتے۔ ان کا کام بڑی بڑی رقمیں خزانے میں داخل کرنا ہوتا تھا' جن کی مقدار کا تعین دار الملک الجزائر میں کیا جاتا تھا۔ کل رقم کا مالی سال کے اندر اندر ادا ہونا ضروری تھا۔ سال کا آغاز بے کے تقرر کی تاریخ سے ہوتا تھا۔ اس کی ادائی اقساط کی صورت میں بے' اس کے ایک نائب اور ایک کارندے کے ذریعے ہوتی تھی۔ بے اپنے تقرر کے بعد پہلے موسم بہار میں خود الجزائر میں حاضر ہوتا تھا اور اس کے بعد ہر تیسرے سال اس کا نائب سال میں دو بار الجزائر آتا۔ کارندہ باقاعدہ ہر ماہ دار الحکومت جاتا تھا۔ یہ انتظام خاص اس مقصد سے کیا گیا تھا کہ دَے کے لئے صوبے کے حکمرانوں پر کڑی نگرانی رکھنا ممکن ہو اور حقیر سے حقیر فروگزاشت نظر آنے پر بھی انہیں برخاست کر دیا جائے۔

ترکوں کے ماتحت الجزائر کے پورے داخلی نظام میں مالی معاملات سے گہری دلچسپی بالکل نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ تمام وہ عہدے اور تقررات جو محاصل' مطالبات' چنگی یا جرمانے کی وصولیابی سے متعلق ہوتے تھے' حکومت کی طرف سے رقومات معینہ کی ادائی کے عوض ٹھیکے پر اٹھا دیئے جاتے تھے اور ٹھیکے کی یہ معینہ رقمیں حالات کے مطابق ایک یا زیادہ سالانہ قسطوں میں واجب الادا ہوتی تھیں۔ یہ دستور متعدد خرابیوں کا باعث ہوا' بلکہ اس حد تک لوگوں کے اقتصادی استحصال کا ذریعہ بن گیا کہ انہیں حکومت کا ہمدرد اور بہی خواہ بنانے کی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ علاوہ بریں ترکی اقتدار صرف سطحی اور نظری تھا' حقیقی اور عملی نہ تھا۔ اندرون ملک میں جو چھاؤنیاں تھیں' ان میں اناطولیہ کے سپاہیوں کی حیثیت بظاہر ایک محصور فوج کی سی نظر آتی تھی۔ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے ترک مقامی قبائل کی رقابتوں کو بھڑکاتے رہنے کے لئے مجبور تھے۔ مخزن قبائل نے جب ترکوں کی خاص رفاقت کا بیڑا اٹھایا تو انہیں نہ صرف بہت سی مالی مراعات حاصل ہو گئیں' بلکہ یہ حق بھی مل گیا کہ وہ محکوم قبائل (رعایا) پر کڑی نظر رکھیں اور باقی قبائل کا استیصال کر دیں۔ ساتھ ساتھ ترکوں نے حمل و نقل کی شاہراہوں پر فوجی چوکیاں قائم کر دیں۔ چنانچہ جبال القبیلہ پر ایسی چوکیوں کا ایک زنجیرہ موجود تھا' تاکہ فوجیں روک ٹوک کے بغیر گزرتی رہیں۔ آخر میں ترکوں نے مذہبی سلسلوں کو رضامند رکھنے کی کوشش کی' لیکن اس میں بھی پوری کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ جو بغاوتیں انیسویں صدی کے آغاز پر وہران اور بابور قبیلیہ کے شہروں میں رونما ہوئیں' وہ تمام تر ایک طاقتور سلسلے کا کام تھیں' جن کی حمایت تیونس کے دار الحکومت فاس کے شریف کر رہے تھے۔

ترکوں کو الجزائر کے اندرونی علاقے میں نظم و نسق کی اصلاح و درستی کا موقع ہی نہ مل سکا۔ بحیرہ روم یورپ (خصوصاً ہسپانیہ و پرتگال) کے بحری قزاقوں کی یورشوں کی جولان گاہ بنا ہوا تھا۔ مراکش' الجزائر اور تیونس وغیرہ پر اہل فرنگ کی طرف سے بار بار حملے ہو رہے تھے۔ ان حملوں سے بچنے اور

قزاقوں کا سر کچلنے کے لئے سمندر پر نظریں جمائے رکھنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ 1565ء کے قریب الجزائر کے اندر صرف شہروں کے قید خانوں میں ان اسیروں کی تعداد 35 ہزار کے قریب تھی جو یورپی قزاقوں کے استیصال میں ہاتھ آئے۔ ہسپانیہ نے کئی بار (1541ء 1567ء 1575ء) الجزائر پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔

پھر فرانس اور برطانیہ کی بحری طاقت بڑھ گئی اور الجزائر کے بے باک ناخداؤں کی طاقت میں کمی آ گئی۔ صرف ایک جواں مرد بطور خاص قابل ذکر ہے' یعنی رئیس حمیدو' جس نے اٹھارہویں صدی میں بہادری اور شجاعت کے کارناموں سے دھاک بٹھا دی۔ سولہویں صدی کا نصف اول گزر جانے کے بعد الجزائر کی اہمیت جاتی رہی۔ اس کی آبادی کم ہونے لگی' اور اس کمی کی رفتار قحط اور طاعون نے تیز تر کر دی۔ 1816ء میں ویانا کی کانگریس کے بعد لارڈ ایکس ماؤتھ (Exmouth) اور ولندیزی امیر البحر فان در کپلین (Van Der Capellen)' جو یورپ کے نمائندے تھے' الجزائر پر گولہ باری کے لئے پہنچے تو یہاں صرف بارہ سو اسیران جنگ قید خانوں میں تھے۔ فرانسیسی حملے سے ذرا پہلے الجزائر کی آبادی ایک لاکھ سے گھٹ کر بمشکل چالیس ہزار رہ گئی تھی۔

فرانسیسی حملوں کے زمانے میں مراکش اور تیونس کے درمیانی علاقے (الجزائر) کی سرحدیں پہلی مرتبہ ان سرحدوں کے مطابق ہوئیں جو ہمیں آج نظر آتی ہیں۔ مزید برآں یہی وہ زمانہ ہے جس میں عرب اور بربر عناصر کا باہمی امتزاج زیادہ پختہ اور مکمل ہوا۔ الجزائر نے ملک کی حیثیت سے مستقل صورت اختیار کی اور شہر الجزائر کو دارالحکومت کا درجہ مل گیا۔

الجزائر پر فرانس کا پہلا حملہ ——(1830ء)

مصر سے لے کر الجزائر تک سارا شمالی افریقہ سولہویں صدی میں سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن چکا تھا۔ صرف مراکش ایک ایسا ملک تھا جس پر عثمانی ترکوں کا اقتدار قائم نہ ہو سکا' اگرچہ وہاں کی انتظامی' فوجی اور ثقافتی زندگی پر ترکوں کے گہرے اثرات وارد ہوئے۔ شمالی افریقہ کے ان ملکوں میں سب سے پہلے الجزائر ترکوں کے ہاتھ سے نکلا اور سب سے آخر میں لیبیا نکلا۔

الجزائر پر ترکوں کا قبضہ 1553ء سے 1830ء تک رہا۔ الجزائر نے اپنی موجودہ شکل اسی زمانے میں اختیار کی اور شہر الجزائر کے نام پر پورے ملک کا نام الجزائر پڑا۔ یہاں جو ترک گورنر مقرر کئے جاتے تھے' جیسا کہ پہلے بیان ہوا' پہلے ''بے'' کہلاتے تھے' پھر ان کو ''داعی'' یا ''دے'' کہا جانے لگا۔ یہ گورنر رفتہ رفتہ ''باب عالی'' کے اثر سے آزاد ہوتے چلے گئے اور سترہویں صدی میں عملاً خود مختار ہو گئے' لیکن الجزائر کے یہ تمام حکمران عثمانی سلطنت کی بالادستی کو تسلیم کرتے تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب شمالی افریقہ کے تین ملکوں تونس' الجزائر اور مراکش کے ساحلی علاقوں میں اُن ترک بحری مہم بازوں کو عروج حاصل ہوا جن کو اہل یورپ اب تک ''بحری قزاق'' کہتے ہیں۔ الجزائر ان مہم بازوں کا سب

سے بڑا مرکز تھا۔ امیر البحر خیر الدین بار بروسہ عثمانی ترکوں کے تحت الجزائر کی پہلی حکومت کا بانی تھا۔

ان ترک مہم بازوں کی وجہ سے یورپی ممالک کی حکومتیں ان سے خوفزدہ رہتی تھیں' کیونکہ ان کے تجارتی جہازان کے حملوں کا نشانہ بنتے رہتے تھے' لیکن عثمانی ترکوں کا علاقہ ہونے کی وجہ سے یورپی حکومتیں مداخلت کی جرأت نہیں کرسکتی تھیں۔ انیسویں صدی کے اوائل میں جب محمود ثانی کے دور میں سلطنت عثمانیہ اندرونی خلفشار اور بیرونی حملوں کی وجہ سے کمزور ہوگئی تو فرانسیسی سامراج کو اپنے منحوس سائے الجزائر کی فضا میں پھیلانے کا موقع مل گیا۔ فرانسیسی مداخلت کے اسباب بے حد عجیب ہیں۔ حکومت فرانس نے اپنے اقتصادی بحران ''ڈے آرکی'' (1795ء—1799ء) کے زمانے میں الجزائر سے گیہوں خریدے تھے' جن کی قیمت 70 لاکھ فرانک سے زیادہ تھی اور بیس سال سے بھی زیادہ عرصے تک یہ رقم ادا نہ ہوئی۔ 1819ء میں حکومت الجزائر اور حکومت فرانس کے درمیان معاہدہ ہوگیا کہ واجب الادا رقم قسطوں میں ادا کردی جائے گی اور 1821ء سے قسطیں ادا ہونے لگیں' لیکن فرانس نے یہ عہد بھی پورا نہ کیا۔ الجزائر کے گورنر حسین پاشا نے فرانس کے بادشاہ چارلس دہم (1824ء—1831ء) کے زمانے میں رقم کی ادائی کے متعلق خط لکھے لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ 16/اپریل 1828ء کو فرانس کا قونصل دوفال تہنیت عہد پیش کرنے کی غرض سے حسین پاشا کے پاس پہنچا تو پاشا نے خط کا جواب نہ دینے کی شکایت کی۔ فرانسیسی قونصل نے تمام آدابِ اخلاق و سفارت بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا: ''ہمارے بادشاہ سلامت اس شخص کو براہِ راست مخاطب نہیں کر سکتے جو مراتب میں ان سے فروتر ہو''۔ اس پر حسین پاشا کو اتنا غصہ آیا کہ ہاتھ میں جو پنکھا تھا وہ قونصل کے مُنہ پر دے مارا۔ بس فرانس نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر الجزائر کے خلاف کارروائی شروع کردی۔

فرانسیسی بیڑے نے تین سال تک بندرگاہ الجزائر کی ناکہ بندی جاری رکھی۔ اور جب طویل ناکہ بندی سے بھی فرانس اپنا مقصد حاصل نہ کرسکا تو 14/جون 1830ء کو فرانس نے 73 ہزار فوج الجزائر کے ساحل پر اتار دی اور 5 جولائی کو شہر الجزائر پر قبضہ کرلیا۔ اگلے چند برسوں میں وہران' بجایہ' بونا اور دوسرے ساحلی شہر بھی فرانس کے قبضے میں آگئے اور فرانسیسی اقتدار اندرونِ ملک بھی پھیل گیا۔

عبدالقادر الجزائری

الجزائر کو ابتدا ہی میں فرانس کے ناجائز قبضے اور تسلط سے بچانے کے لئے جس رہنما نے نمایاں اور قابل قدر کوشش کی اور تحریک آزادی کو عوامی جہاد بنا دیا' وہ سید محی الدین الحسنی کے فرزند ارجمند سید ناصر الدین عبدالقادر الحسنی ہیں' جن کو تاریخ عالم عبدالقادر الجزائری کے نام سے یاد رکھتی ہے۔ عبدالقادر 1808ء میں ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد وہ اکیس سال کی عمر میں حج کرنے مکہ معظمہ گئے۔ اس سفر کے دوران میں ان کو بغداد' دمشق اور قاہرہ میں قیام کرنے اور علماء سے ملنے کا موقع بھی ملا۔ محمد علی پاشا والیٔ مصر اپنے ملک کو ترقی

دینے کی جو کوششیں کر رہے تھے' عبدالقادر اس سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ اسی زمانے میں لیبیا کے رہنما سنوسی قاہرہ سے بددل اور مایوس ہو کر واپس طرابلس چلے گئے تھے۔ انہوں نے محمد علی پاشا کی غیر اسلامی اصلاحات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا تھا' لیکن عبدالقادر الجزائری نے سنوسی کے برخلاف محمد علی پاشا کی اصلاحات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا' حالانکہ عبدالقادر خود بھی اسلامی فکر کے علمبردار تھے۔ غالباً دونوں کے نقطۂ نظر کا یہ فرق شخصی رجحانات کا آئینہ دار تھا۔ سنوسی کی زندگی میں زہد اور تقویٰ غالب تھا' جبکہ عبدالقادر کی زندگی میں سیاسی سوجھ بوجھ کا غلبہ تھا۔ عبدالقادر خود بھی غیر اسلامی رجحانات کو ناپسند کرتے تھے' لیکن محمد علی پاشا کی اصلاحات کے تمام پہلو غیر اسلامی نہیں تھے۔ اس کی یہ کوشش کہ مصر قدامت کے حصار سے نکل کر ایک جدید ملک بن جائے' ایک قابل قدر کوشش تھی۔ جدید دور کے ایک مصلح کی حیثیت سے عبدالقادر کو اس کی اصلاحات کا یہ پہلو پسند تھا' لیکن وہ اُن اصلاحات کو اسلامی احکام و تعلیمات سے ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے' جبکہ سنوسی وقت کے نئے تقاضوں کو سمجھ نہیں سکے تھے اور انہوں نے اپنے اصلاحی کام کو سیاست سے الگ کر کے محض اخلاقیات تک محدود رکھا۔

عبدالقادر اپنے بیرونی سفر سے اس سال (1830ء) واپس الجزائر آئے' جس سال فرانس الجزائر پر قابض ہوا تھا۔ نئی صورت حال نے عبدالقادر کو بے چین کر دیا اور انہوں نے فرانس سے جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ قومی وحدت کا تھا۔ اس زمانے میں الجزائر میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں قائم تھیں جو آپس میں لڑتی رہتی تھیں اور اس قابل نہیں تھیں کہ متحد ہو کر فرانس کا مقابلہ کر سکیں۔ عبدالقادر نے مختلف قبائل کے باہمی اختلافات ختم کئے اور ان کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ متحد ہو کر فرانس کا مقابلہ کریں۔ ان قبائل نے 22 نومبر 1832ء کو عبدالقادر کو' جن کی عمر اُس وقت صرف پچیس سال تھی' اپنا امیر منتخب کر لیا۔ امیر عبدالقادر نے الجزائری مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے کے بعد قصبہ مسکرہ کی مسجد میں فرانسیسیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے جلد ہی مغربی الجزائر کے قبائل کو اپنے جھنڈے تلے متحد کر دیا اور فرانسیسی فوجوں کو کئی شکستیں دیں یہاں تک کہ فروری 1834ء میں امیر عبدالقادر الجزائر کے ایک تہائی حصے پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی مشکلات بڑھ گئیں اور فرانسیسی فوجوں کی کثرت اور جدید اسلحے کی وجہ سے عبدالقادر 21 دسمبر 1847ء کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

امیر عبدالقادر نے جو نظامِ حکومت قائم کیا تھا' اس میں آزاد علاقے دارالسلام کہلاتے تھے اور فرانسیسی علاقے دارالکفر۔ مسلمانوں کے لئے دارالکفر سے دارالاسلام میں آنا واجب تھا۔ امیر عبدالقادر نے اپنے لئے ''امیر المؤمنین'' کا لقب اختیار کیا تھا اور مشورے کے لئے ایک مجلس ''شوریٰ'' بنائی تھی جو گیارہ علماء پر مشتمل تھی۔ نظامِ حکومت مختلف امور کے وزیروں کی مدد سے چلایا

جاتا تھا۔ ریاست مختلف انتظامی حصوں میں تقسیم تھی۔ ہر حصے میں ایک قاضی ہوتا تھا جو امورِ مملکت کو شریعت سے ہم آہنگ و مطابق کرنے کا ذمہ دار تھا۔ مشکل مسائل کے حل کے لئے علمائے فاس (تونس) یا جامعہ ازہر (مصر) کے مالکی شیخ سے فتویٰ حاصل کیا جاتا تھا۔ امیر عبدالقادر نے فوج کی تنظیم جدید طرز پر کی تھی اور اس سلسلے میں یورپی ملکوں سے امداد بھی لی۔ بعض صورتوں میں امیر عبدالقادر کی فوج مراکش کی فوج سے بہتر تھی۔ امیر عبدالقادر نے اپنی ریاست میں اسلحہ سازی اور بندوق سازی کا کارخانہ بھی قائم کیا تھا۔ الجزائر میں امیر عبدالقادر کی یہ ریاست بالاکوٹ میں سید احمد شہید کی شہادت (1831ء) کے ایک سال بعد قائم ہوئی تھی۔ دونوں کی قائم کردہ ریاستوں میں بہت مماثلت تھی' لیکن ایک بڑا فرق یہ تھا کہ امیر عبدالقادر جدید دور کے نئے تقاضوں اور ضرورتوں کو سید احمد کی تحریک مجاہدین کے رہنماؤں کے مقابلے میں زیادہ بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ یورپ سے نزدیک اور محمد علی پاشا کے جدید مصر سے زیادہ تعلق رکھتے تھے۔

الجزائر کی تاریخ میں عقبہ بن نافع اور خیر الدین بار بروسہ کے بعد کسی اور شخص کو وہ شہرت' عظمت اور نیک نامی حاصل نہیں ہوئی جو عبدالقادر الجزائری کو حاصل ہوئی۔ انہوں نے آدمیوں اور وسائل کی کمی کے باوجود جس بے جگری سے فرانسیسی حملہ آوروں کا پندرہ سال تک مقابلہ کیا' اس کی مثالیں کم ملیں گی۔ مؤرخین نے ان کی انتظامی قابلیت اور سیاسی تدبر کی بڑی تعریف کی ہے اور وہ اسلامی تاریخ کی ان ہستیوں میں سے ہیں جن کی ان کے مخالفین نے بھی دل کھول کر تحسین کی ہے۔

چند سال نظر بند رکھنے کے بعد فرانسیسیوں نے امیر عبدالقادر کو رہا کر دیا۔ وہ شروع میں بروصہ (ترکی) گئے اور پھر دمشق میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ یہاں سلطان عبدالمجید کے دور میں 1860ء میں جب دروزیوں نے عیسائی آبادی کا قتل عام کیا تو امیر عبدالقادر نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ہزاروں عیسائیوں کی جانیں بچائیں اور اپنے اس طرزِ عمل کی وجہ سے سارے یورپ سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ امیر عبدالقادر کا دمشق میں 26 مئی 1883ء کو انتقال ہوا۔

1847ء کے بعد

1847ء میں امیر عبدالقادر کی شکست کے بعد الجزائر میں فرانس کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ رہا۔ البتہ احمد نے قسطینہ میں پاؤں جما لئے تھے اور 1836ء میں ایک فرانسیسی فوج کو اپنے مرکز کے سامنے پسپا کر دیا تھا' لیکن وہ بھی زیادہ عرصے تک مقابلہ نہ کر سکا۔ حکومت فرانس نے ساحلی علاقوں میں فرانسیسیوں کی بستیاں بسا دیں' جن کی حیثیت فوجی بستیوں یا چوکیوں کی سی تھی۔ 1848ء میں فرانسیسی مزدوروں کا ایک ریلا آیا اور انہوں نے یہاں بیالیس بستیاں بسالیں' جس کے بعد ہر قسم کے نئے آبادکار پہنچنے لگے' جنہیں حکومت نے تھوڑی تھوڑی زمینیں معافی پر بھی دیں' لیکن ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے وسائل سے کام لے کر آباد ہوتے چلے گئے۔

الجزائر پر قبضے کا سلسلہ فرانس کی دوسری جمہوریہ (جو شاہ لوئی فلپ کی دست برداری 1848ء کے بعد قائم ہوئی تھی) اور دوسری بادشاہی (نپولین سوم) کے عہد میں جاری رہا' جس کے آغاز میں بلادِ قبائل کے نخلستانوں کو فتح کر لیا گیا۔ الجزائر کو جنوبی خانہ بدوشوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اور ریگستان کی تجارتی شاہراہوں پر قبضے کی خاطر بلند میدانوں میں قلعہ بند چوکیاں قائم کی گئیں' اور فوجی دستوں نے صحرائی سرحدوں کی دیکھ بھال شروع کی۔ اس عرصے میں قبیلے کے اندر بھی اثر و نفوذ پیدا کر لیا گیا' حالانکہ وہ ترکی حکومت کے زمانے میں آزاد رہا تھا۔ یہ اثر و نفوذ فرانسیسی فوجی گورنر بوجیو کی دو فوجی مہموں کی بدولت پیدا ہوا اور اس طرح فرانسیسی اپنی حکومت کا دائرہ بڑھانے اور پھیلانے کے قابل ہو گئے۔ اس کے باوجود مقابلہ ہوتا رہا' آخر 1857ء میں (جب ہندوستان میں بھی انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی تحریک مزاحمت عروج پر تھی) مارشل رینڈن نے انہیں مغلوب کر لیا۔

فرانس نے الجزائریوں کو اپنا شہری نظم و نسق اور دستور و رواج قائم رکھنے کی اجازت دی۔ اس کے بعد بھی الجزائر میں وقتاً فوقتاً بغاوتیں ہوتی رہیں۔ مثلاً جب 1871ء میں فرانس نے جرمنی کے ہاتھوں شکست کھائی تو الجزائر میں کئی مقامات پر بغاوت کی تحریکوں نے سر ابھارا۔ قبیلیہ کے دونوں حصے' ضلع الجزائر کے بعض حلقے اور قسطینہ کا جنوبی حصہ باغی ہو گئے۔ باغیوں نے فرانسیسی آبادکاروں کو قتل کیا اور اکثر مقامات پر خطرے کا باعث بن گئے۔ فرانسیسی ایڈمرل گیودون کو الجزائر کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا تو اس نے سختی کر کے پھر امن قائم کیا۔ ہنگامہ برپا کرنے والوں پر بھاری تاوان لگایا گیا اور دس لاکھ ایکڑ سے زیادہ اراضی ضبط کر کے فرانسیسی آبادکاروں کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ 1881ء میں وہران میں ایک خاصی خطرناک بغاوت بوعمامہ کی سرکردگی میں رونما ہوئی۔ اس کے بعد بلند میدانوں کے جنوبی کنارے پر مستقل فوجی چوکیاں قائم کی گئیں۔ السطیف اور جولما کے قصبوں میں بغاوت ہوئی' جس میں ایک سو کے قریب فرانسیسی مارے گئے' لیکن اسے بھی سختی سے کچل دیا گیا۔

فرانسیسی عہد میں الجزائر کا نظم و نسق

الجزائر کا نظم و نسق اور اس کی آبادکاری نے فرانسیسی قبضے کے ابتدائی وقت سے کئی مراحل طے کئے ہیں۔ ہر مرحلے میں بالکل مختلف طریقوں سے کام لیا گیا۔ فرانس کی دوسری جمہوریہ (1848ء تا 1852ء) میں الجزائریوں کے انجذاب اور فرانسیسیوں کی آبادکاری کا مسلک پسند کیا جاتا رہا۔ تینوں قسمتوں کے غیر فوجی علاقے فوجی ناظموں کی نگرانی میں رکھے گئے جو آبادکاروں کے انتظام کے ذمہ دار تھے۔ بقیہ علاقے فوجی حکام سے متعلق اور گورنر جنرل کے ماتحت تھے جو ''عرب بیورو'' کا رئیس اعلیٰ تھا۔ ویسے آبادی کی حکومت مسلم سرداروں کے ہاتھ میں تھی' جن کے تقرر اور نگرانی کا کام فوجی حکام کے حوالے تھا۔ یہ انتظامِ حکومت دوسری شہنشاہی (نپولین سوم' 1852ء تا 1870ء) کے ماتحت قائم رہا۔ گورنر رینڈون کے عہد میں یورپی آبادکاری میں اضافہ ہوا اور ملکی اقتصادیات کی

منصوبہ بندی کا خاکہ تیار کیا گیا۔ الجزائر اُن اجناس خوردنی کا مخزن تصور کیا جاتا تھا جو گرم ممالک میں پیدا ہوتی ہیں' لیکن سب سے زیادہ کامیابی جوار کی کاشت میں حاصل ہوئی اور 1881ء تک اسی کو آبادکاروں کی خاص فصل سمجھا جاتا تھا۔ اقتصادی بحران اور آبادکاری کے روز افزوں مطالبات کی وجہ سے حکومت کو از سرنو انجذاب کا مسلک اختیار کرنا پڑا۔ آبادکاروں کے مطالبات کا سبب یہ تھا کہ انہیں خسارہ ہو رہا تھا اور ان کے مراعات کا دائرہ بہت محدود تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ چھاؤنیوں کے قیام سے جو اراضی ممکن الحصول ہوئی ہے' وہ انہیں مل جائے۔

1858ء سے 1860ء تک الجزائر پر حکومت کی باگ ڈور وزارتِ نوآبادیات الجزائر کے ہاتھ میں تھی' جس کا مرکز پیرس تھا۔ پہلے یہ وزارت شہزادہ نپولین (بن شہنشاہ نپولین سوم) کو تفویض ہوئی۔ بعدازاں کامٹ لوبے کو اس کا ذمہ دار وزیر بنا دیا گیا۔ اندرونی نظم و نسق میں خلفشار کی وجہ سے نپولین سوم مجبور ہو گیا کہ مارشل پلسیئر کے ماتحت ملک از سرنو فوجی حکومت کے سپرد ہوا۔ 1864ء میں مارشل پلسیئر کی وفات پر مارشل میک موہاں حاکم مقرر ہوا۔ اس دوران میں نئے آبادکاروں کی مخالفت کے باوجود شہنشاہ نے الجزائر کو ایک ''عرب مملکت'' بنانے کی کوشش کی۔ اس نے قبائل کی مشترکہ اراضیات کو 1863ء کے سینیٹ کے فیصلے کے ذریعے محفوظ کر دیا اور 1865ء کے فیصلے سے مسلمانوں کو فرانسیسی قومیت اختیار کرنے کا حق مل گیا۔

1870ء میں فرانسیسی آبادکاروں نے شاہی عمال کو ملک سے خارج کر دیا اور شہر الجزائر کی پنچایت (کمیون) کی ایک انقلابی سلطنت قائم کر لی۔ اس حکومت نے طے کیا کہ ایک غیر فوجی (civil) نظام قائم کیا جائے' اور اگرچہ قبل ازیں دو گورنر فوج سے لئے گئے تھے' لیکن اب صرف سول عہدے دار ہی لئے جائیں۔ یوں دیوانی انتظام کا اثر و رسوخ بڑھتا پھیلتا رہا اور ''عرب بیورو'' کی جگہ مخلوط پنچایتیں قائم ہو گئیں۔

الجزائر نے اپنی مکمل اقتصادی اور انتظامی خود مختاری 1900ء میں حاصل کر لی۔ گورنر جنرل کے اختیارات میں توسیع کی گئی اور حکومت کا سالانہ بجٹ آئندہ کے لئے ''مالی مندوبین'' کے مشورے سے منظور ہونے لگا' جو ملک کے مختلف اقتصادی گوشوں اور شعبوں کے نمائندے ہوتے تھے۔ الجزائر کو بیرونی قرضے لینے کا اختیار بھی دیا گیا' تاکہ اپنے صنعتی کارخانوں' بندرگاہوں' سڑکوں' ریلوں اور دریائی بندوں کو ترقی دے سکے۔ اس طرح خوشحالی کے ایک دور کا آغاز ہوا۔ زیادہ مختلف قسموں کی فصلیں کاشت کی جانے لگیں اور زیر کاشت علاقہ بڑھتا گیا۔ فرانسیسی آبادکاری کو تقویت ہوئی اور زراعت میں سائنس و ٹیکنالوجی کے وسائل استعمال کرنے پر جن اخراجات کی ضرورت پڑی' ان سے ملک کا کردار سرمایہ دارانہ بن گیا' حالانکہ یہ بات انگور' لیموں' سنگترے وغیرہ کی وسیع پیمانے پر کاشت سے قبل مفقود تھی۔ لوہے' جست اور مرکبات فاسفورس کی نئی کانیں دریافت ہوئیں۔ مقامی باشندوں

کی آبادی بڑھنا شروع ہوئی' جس کا باعث شرح پیدائش میں اضافہ اور شرح اموات میں کمی تھی۔ اقتصادی ترقی بھی خاصی ہوئی' لیکن معاشرتی حکمتِ عملی اور سماجی حالات کی حقیقت و ماہیت نہ بدلی۔

قومی جدو جہد کا دوسرا دور

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں الجزائر کی تحریک آزادی اور قومی جدو جہد کا دوسرا دور شروع ہوا' جسے سماجی اصلاحات اور پُر امن سیاسی جدو جہد کا دور کہا جا سکتا ہے۔ الجزائر کے ایک مزدور رہنما مسالی حج نے **1924**ء میں ''**النجم الافریقہ الشمالی**'' کے نام سے ایک مزدور تنظیم قائم کی' جس نے جلد ہی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت نے **1936**ء میں یہ جماعت توڑ دی۔ مسالی حج نے اس کے فوراً بعد ''الجزائری عوام کی پارٹی'' (پی پی اے) کے نام سے ایک نئی پارٹی قائم کر لی۔ یہ پارٹی ایک ایسی الجزائری ریاست کی حکومت تھی جو اپنی روح میں خالص اسلامی ہو' لیکن رہنمائی مزدور طبقہ کرے۔ اس کا کمیونزم کے نظریات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مسالی حج ایک شعلہ بیان مقرر تھے۔ ان کو **1941**ء میں بغاوت کے جرم میں سولہ سال کی سزائے قید ہوئی اور ان کی یہ پارٹی بھی توڑ دی گئی۔ اس پارٹی کا علماء' طلبہ اور خواتین پر خاص اثر تھا۔ مسالی حج کو **1943**ء میں معاف کر دیا گیا لیکن **1946**ء تک وہ جلاوطن رہے یا فوج کی نگرانی میں۔ اس کے بعد وہ رہا کر دیئے گئے۔ انہوں نے **1947**ء میں ''جمہوری آزادیوں کی فتح کی تحریک'' کے نام سے ایک نئی جماعت کی داغ بیل ڈالی جس کا مختصر نام ''ایم ایل ٹی ڈی'' تھا۔

مسالی حج کی قائم کردہ ''ایم ایل ٹی ڈی'' اگرچہ الجزائر کی سب سے بڑی اور فعال جماعت تھی' لیکن ملک میں اس وقت تک مسلمانوں کی کئی اور جماعتیں اور تنظیمیں قائم ہو گئی تھیں۔ ان میں سے ایک تنظیم ''حزب منشور الجزائر'' تھی' جس کو **1943**ء میں فرحت عباس نے قائم کیا تھا۔ یہ جماعت ''فرانسیسی یونین'' کے اندر رہتے ہوئے الجزائر کو خود مختار جمہوریہ بنانا چاہتی تھی۔ بعد میں اس جماعت کا نام ''جمہوری اتحاد مسلمانانِ الجزائر'' ہو گیا۔

الجزائر کی ایک اور اہم تنظیم ''جمعیۃ العلماء الجزائر'' تھی جسے **1929**ء میں شیخ عبدالحمید بن بادیس نے قائم کیا تھا۔ وہ الجزائر کے ایک ممتاز عالم دین تھے۔ انہوں نے تونس کی جامعہ زیتونیہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ بیس سال تک اپنے شہر میں درسِ قرآن دیتے رہے اور تفسیر بیان کرتے ان کا درسِ قرآن اتنا جامع ہوتا تھا کہ تاریخ' فلسفہ اور علوم قدیم و جدید سب اس کے [illegible] [illegible] تھے۔ ان کی صحبت سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس میں دلچسپی لیتا تھا۔ جمعیۃ العلماء [illegible] [illegible] کی فرانس کی اسلام دشمن پالیسی کو بے نقاب کرنا تھی [illegible] [illegible] دے دیے [illegible] کی۔ ہفت روزہ ''البصائر'' [illegible] سے شائع ہوتا تھا جمعیۃ العلماء کا ترجمان تھا۔ الجزائر کی تحریک آزادی میں اس جریدے کو وہی حیثیت حاصل ہے جو

برعظیم پاک وہند میں ''الہلال'' اور'' کامریڈ'' کو حاصل تھی۔ سیاسی اعتبار سے جمعیۃ العلماء الجزائر کی آزادی اور شمالی افریقہ کے دوسرے ملکوں سے اتحاد کے لئے کوشش کرتی تھی۔ جمعیۃ العلماء نے الجزائر میں مسلم ثقافت وتہذیب کو زندہ رکھا' اور شمالی افریقہ میں اسلامی ثقافت کے دو بڑے مراکز جامع زیتونیہ اور جامع قروئین سے قریبی رابطہ قائم رکھا۔ جمعیۃ العلماء الجزائر کی آزادی (1962ء) سے قبل 125 دینی مدرسے اور ایک ثانوی مدرسہ ''ادارہ بن بادیس'' چلاتی تھی۔ (باقی آئندہ)

قرآن کی عظمت
اور اس کی بنیادی تعلیمات

ابوظہبی پروگرام-1985

مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد
(بانی تنظیم اسلامی)

اب VCDs میں دستیاب ہیں

عنوانات

- عظمت قرآن
- راہ نجات
- حقیقت ایمان
- عمل صالح
- تواصی بالحق
- تواصی بالصبر
- حقیقت نفاق
- حقیقت واقسام شرک
- اقامت دین

کل سی ڈیز : 21

قیمت فی سیٹ : -/840 روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

5869501-03

January 2004 Reg. No. LRL 52
Vol.53 No.1
Monthly **Meesaq** Lahore

کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے

پیام اقبال

بنام

نوجوانانِ ملت

مؤلف: سید قاسم محمود

سالِ اقبال 2002ء کے سلسلے میں

''مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے زیر اہتمام

ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' نے

نوجوانانِ اسلام کے نام ''اقبال کا پیام'' اپنی ''اشاعتِ خصوصی'' میں رنگین طباعت کے ساتھ شائع کیا تھا' جسے غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی اور اب طلبہ کی فرمائش پر اس اہم دستاویزی شمارے کو کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ہر گھر' کالج' سکول اور طالب علم کے لئے انتہائی مفید ہے۔

تازہ بہ تازہ' خوبصورت کتاب ۔ صفحات 212 قیمت: 90 روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501